

الحمد لله الذي هدانا لهذا
لله الحمد والمنة

الحمد لله الذي هدانا لهذا
لله الحمد والمنة

تور الايمان
تور الايمان

بإتمام احقر الانام
بإتمام احقر الانام

مطبع مجتباعي
مطبع مجتباعي

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

الحمد لله على ما أحصاه عدد درین بیان غرضی اقرآن کتاب مستطاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

محمدرضا خان صاحب علم ابن ابی نوری محمد عبده صاحب قزوین باه رمضان المبارک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
رسالہ ہر ایک
اور مذہب ہر
مذہب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامدا و مصليا و مسلما - 135997

احقر انام محمد عبدالاحد ابن مولانا غلام محمد۔ جلد اول اسلام کی خدمت میں۔ در خلافت میں کلام و عقائد کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہے کیوں تو اس نزل کی کتاب میں بہت سے مسائل پر جو کچھ امام الکلام حضرت شیخ محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کافی و دافی ہیں جیسا کہ کتاب العقائد و کتاب الاصولی الاعتقاد ہے۔ جس میں مشکلین کے علم کا خلاصہ ہے اور ان کی رسمی کتابوں سے تحقیق میں بہت چربی ہوتی ہے اور معرفت کے کھٹ کھٹانے کی طرف زیادہ قریب ہے اور اسکے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص علماء کے دیکھنے اور سمجھنے کی ہیں جنہیں ہر قسم کے مباحث و دلائل موجود ہیں مگر ایسی عام فہم کتاب جو تمام مضامین کو حاوی اور اکثر مسائل کی جامع ہو تکمیل الایمان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ کسی کو نہ دیکھا۔ یہ کتاب اس فرقہ میں واقعی لاجواب ہے شیخ نے آسانی کے ساتھ وہ تمام مسائل اور مسائل اور مسائل میں بھی نسیا ہے! ہاں تیرے ساتھ تو دین اسلام کو موافق طریقہ اہل سنت و جماعت کے ساتھ لکھا ہے اور اس خوبی سے ادا کیا ہے جس سے خود بخود دلوں میں اثر اور نور یقین پیدا ہوتا چلا جائے۔ شیخ نے اشارہ ہی کیا ہے، چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور ہمارے ملکی بھائی اسے نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے احقر نے جامع علوم ربانیہ واقف اسرار قرآنیہ فاضل اہل مولوی محمد شناق احمد صاحب حنفی حنفی زہدی امت برکاتہم و افاضاتہم کو اس کتاب کے ترجمہ کی تکلیف دی اور حضرت مولانا سلمہ نے بطیب خاطر عامہ مسلمین کے نفع کے لئے ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی چند روز میں اسکی تکمیل فرمادی۔ جزا اللہ عنہا خیر الجزاء ایک قلمی صحیح نسخہ آپ کے پاس تھا اس متن کو تصحیح فرمائی اور ترجمہ ایسی خوبی سے کیا جس سے عام حاجتیں رفع ہو گئیں۔ اور تمام مضامین مفید و نفع بخش اور اچھی طرح سمجھ میں آئے۔ ترجمہ کی پاکیزگی۔ زبان کی سلاست کتاب کے دیکھنے پر ہو تو فرمائیں جب حضرت مولانا سلمہ ترجمہ سے فارغ ہوئے تو احقر اسکے چھاپنے کے لئے کوشش فرمائی اور دو دنوں میں حق تعالیٰ کے حکم کی امداد سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہو گئی ذات باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے اور اس کے پھیلنے میں توفیق فرمائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

135197

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ اور رو و وسلام نازل ہو مسلوں کے سرور متیقنوں کے امام خاتم النبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور انکی اولاد اور اصحاب اور تمام انکے پیروں پر اس کے لئے ہے فقیر حقیر اللہ قوی پیدا کرنے والے کے تمام بندوں میں زیادہ ضعیف عبد الحق سیف الدین ترکہ جو مولیٰ بخاری کا بیٹا کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان ہے اس میں اسلام کے عقیدوں اور طریقہ اہل سنت جماعت کے موافق مذہب کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ قواعد شریعت اور معانی لطیفہ پر شامل ہے۔ کلام کی توضیح اور مطلب کی تشریح ایسے طرز میں کی گئی ہے کہ خدا نے جاہلوں میں اثر پیدا کر گئی اور باطن میں یقین کا نور بڑھا دیگی میں نے اس رسالہ کو ہر ایک سچے مومن اور سچے طالب کے لئے لکھا ہے اور میں نے اس میں قول صحیح کے بیان کرنے اور مذہب حق کے اثبات پر اقتصار کیا ہے باطل مذہبوں کے ذکر کرنے اور لائینی اقوال کے رد کرنے سے معرض نہیں کیا۔ بحث وجدال اور قیل و قال کے راستہ کو چھوڑ دیا اور میں نے اس رسالہ کو علم کلام کے دلائل اور علم فلسفہ کی باریکیوں سے خالی رکھا ہے تاکہ طالب کو تذبذب اور حیرت کے گرداب میں نہ ڈالے مقصد کے پانے اور مطلب کے حاصل ہونے سے نہ روکے اللہ ہی توفیق کا مالک اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی باگ ہے۔

مخالفات الاشیاء ثابتہ تمام چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں۔ جملہ عقائد اور احکام کا مدار اس اعتقاد پر ہے کہ نفس الامریں ہر چیز کی ایک حقیقت ہے اور یہ رہشے کی حقیقت کا ہونا کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں نہ صرف وہم اور خیال ہے مثلاً پانی و حقیقت پانی ہے اور آگ اصل آگ ہے یہ بات نہیں ہے کہ اگر آگ کی نسبت ہم پانی بولتے کا خیال کریں آگ پانی ہو اور اگر آگ کے خیال میں ہم پانی بولیں وہ آگ ہو اور اگر ہم کہیں وہ سرو ہو اور سرو

سورۃ الحج علیہ السلام

سب چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں

سوفسطائیوں کا اعتقاد

کی نسبت گرم کا اعتقاد کریں گرم ہو جن لوگوں کا ایسا اعتقاد ہے ان کو سوفسطائیوں نے ان کو عقلاً اور شرعاً دونوں طرح یہودہ اور باطل ہے۔ کوئی عقل والا یہ نہیں کہیگا کہ پانی اور آگ کی حقیقت صرف وہم اور خیالی ہے اور اگر کچھ حقیقت ہے وہ اعتقاد کے تابع ہے۔

ایک اور جماعت ان سوفسطائیوں کی ہر چیز کی نسبت شک کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے یا نہیں ان کو اپنے شک کرنے میں ہی شک ہے یہ کلام نامعقول اور مکابہرہ ہے ان لوگوں کے ساتھ زبانی بحث و مناظرہ کرینے کا کوئی نتیجہ نہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ انکو (مثلاً) آگ میں جلا دیا جائے اگر آگ کی حقیقت اور اسکی گرمی کا اقرار کریں تو ملزم ہو گئے یعنی ہار گئے اور چپ رہے دم نہیں ماری ہی جلی مراد ہے (یعنی وہ اسی سزا کے لائق ہیں)

وَالْعَالَمُ حَادِثٌ اور عالم حادث ہے قدیم نہیں یعنی جو کچھ ذات حق اور اسکی صفات کے سوا ہے وہ حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے اور قدیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **كَانَ اللَّهُ وَكَانَ سَعْدُ شَيْءٍ** یعنی اللہ نازل میں موجود تھا اور اس کے ہمراہ کوئی چیز نہ تھی اور دلیل عقل یہ ہے کہ عالم متغیر اور حوادث کی جگہ ہے اور جو ایسا ہو وہ قدیم نہیں ہوتا کیونکہ جو قدیم ہو وہ متغیر نہیں ہوتا ایک حالت پر ہمیشہ رہتا ہے خدا تعالیٰ کی ذات اور اسکی جملہ صفات ہی ایسی ہیں کہ ان میں تغیر اور تبدل و راستہ نہیں۔ اسکی شان بلند اور اس کی برہان قوی ہے۔

عالم حادث ہے

وَهُوَ قَابِلٌ لِلْفَنَاءِ اور عالم موجود ہونے کے بعد فنا اور ہلاک ہونے والا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ اللَّهِ** ہر شے فنا ہوگی سوائے اللہ کی ذات کے۔ پس فرشتے اور بہشت اور روزخ وغیرہ جنکے ہمیشہ رہنے کی خبر احادیث میں ہے (موافق اس آیت شریفہ کے) وہ بھی فنا ہو جائیگے خواہ ایک لمحہ کو فنا ہوں البتہ فنا ہونے کے بعد باقی رہیں گے اور کبھی فنا نہیں ہوں گے۔

عالم موجود ہے

وَالْمَصْنُوعُ اور واسطے عالم کے پروردگار ہے جس نے اس کو معدوم سے موجود بنایا کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو لہذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے واسطے کوئی ذات چاہیے جو اسکو موجود بنائے کس واسطے کہ اگر حادث خود بخود ہو جاتا تو حادث کیوں ہوتا قدیم اور ہمیشہ سے ہوتا اور جب قدیم اور ہمیشہ سے نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے اسکو معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے۔

عالم کے لئے اسکا ماضی و الحاضر

یہ عالم کا پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہیے اگر قدیم نہیں ہوگا حادث اور منجملہ عالم کے ایک ہوگا عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔

واجب الوجود اس کا وجود واجب ہے اور اسکی ذات سے ہے غیر سے نہیں ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا ہونے کے لائق نہیں (کیونکہ) لفظ خدا کے معنی خود آنے والے اور خود موجود ہونے والے کے ہیں اور یہ بات ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتهی ہونا چاہیے جو خود موجود ہو ورنہ اس طرح یہ سلسلہ بے نہایت چلا جاویگا اور یہ غیر معقول ہے۔

اگرچہ وہ یکتا ہے فرمایا اس نے بلاشبہ اللہ معبود یکتا ہے اور حقیقت میں عالم کا پیدا کرنا اور دنیا کا نظام کرنا سوائے ایک پیدا کرنے والے اور ایک حاکم کے درست نہیں ہو سکتا۔

حتیٰ عالم قادر و زنده اور وانا قدرت والا اور اختیار والا ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ جبر اور اضطرار سے کیونکہ ایسے عجیب و غریب عالم کا پیدا کرنا جو کمال و رجب مضبوطی اور اتقان میں ہے بغیر ان صفات کے ناممکن ہے مردہ اور جاہل اور غیر مختار سے کسی طرح نہیں ہو سکتا اور نیز یہ صفات (حیاء - علم - قدرت - ارادہ) اس کی مخلوقات میں موجود ہیں اگر اسکی ذات میں نہ ہوتیں تو ان میں کیونکر پیدا کر سکتا۔

مشکوٰۃ سیم بصر بولے والا سننے والا دیکھنے والا ہے کیونکہ گونگا بہر اند ہا ناقص ہے اور ناقص خدائی کے لائق نہیں ہوتا ان صفات کے ہونے پر قرآن شریف گواہ ہے۔ ان صفات کی حقیقت بلکہ تمام صفات الہی کو قیاس اور عقل سے دریافت نہیں کر سکتے ہاں اللہ کریم نے ان صفات کا نمونہ انسان کی ذات میں پیدا کیا ہے کہ جس نمونہ کے ذریعہ کیسے قدر پوچھیں اور جوہ نشان اسکی صفات کا ملجاتا ہے۔ لیکن الواقع انسان کی صفات اسکی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں۔

صفات تبارک باقیۃ الابد پاک کی صفتیں اسکی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔

جس میں تبارک حادث الشریک کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں جس قدر اسکے کمالات حقیقیہ میں دل میں ثابت ہیں کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے اور جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا۔

عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔ واجب الوجود اس کا وجود واجب ہے اور اسکی ذات سے ہے غیر سے نہیں۔ ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا ہونے کے لائق نہیں۔ لفظ خدا کے معنی خود آنے والے اور خود موجود ہونے والے کے ہیں اور یہ بات ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتهی ہونا چاہیے جو خود موجود ہو ورنہ اس طرح یہ سلسلہ بے نہایت چلا جاویگا اور یہ غیر معقول ہے۔ اگرچہ وہ یکتا ہے فرمایا اس نے بلاشبہ اللہ معبود یکتا ہے اور حقیقت میں عالم کا پیدا کرنا اور دنیا کا نظام کرنا سوائے ایک پیدا کرنے والے اور ایک حاکم کے درست نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ عالم قادر و زنده اور وانا قدرت والا اور اختیار والا ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ جبر اور اضطرار سے کیونکہ ایسے عجیب و غریب عالم کا پیدا کرنا جو کمال و رجب مضبوطی اور اتقان میں ہے بغیر ان صفات کے ناممکن ہے مردہ اور جاہل اور غیر مختار سے کسی طرح نہیں ہو سکتا اور نیز یہ صفات (حیاء - علم - قدرت - ارادہ) اس کی مخلوقات میں موجود ہیں اگر اسکی ذات میں نہ ہوتیں تو ان میں کیونکر پیدا کر سکتا۔ مشکوٰۃ سیم بصر بولے والا سننے والا دیکھنے والا ہے کیونکہ گونگا بہر اند ہا ناقص ہے اور ناقص خدائی کے لائق نہیں ہوتا ان صفات کے ہونے پر قرآن شریف گواہ ہے۔ ان صفات کی حقیقت بلکہ تمام صفات الہی کو قیاس اور عقل سے دریافت نہیں کر سکتے ہاں اللہ کریم نے ان صفات کا نمونہ انسان کی ذات میں پیدا کیا ہے کہ جس نمونہ کے ذریعہ کیسے قدر پوچھیں اور جوہ نشان اسکی صفات کا ملجاتا ہے۔ لیکن الواقع انسان کی صفات اسکی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں۔ صفات تبارک باقیۃ الابد پاک کی صفتیں اسکی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔ جس میں تبارک حادث الشریک کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں جس قدر اسکے کمالات حقیقیہ میں دل میں ثابت ہیں کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے اور جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا۔

جیسے سیاہی اور سفیدی۔ اور مصور نہیں ہے یعنی صورت اور شکل سے پاک ہے مرکب نہیں ہے کہ اس سے ملکر بنا ہو محدود نہیں ہے کہ اسکو گن سکیں۔ محدود نہیں ہے کہ اسکی حد نہایت ہو۔ کسی جہت میں راؤ پر نیچے پیچھے آگے بائیں واسنے نہیں ہے نہ کسی جگہ میں ہے اور نہ زمانہ میں۔ کیونکہ یہ تمام خصوصیات عالمگی ہیں اور اللہ پاک عالم کی صفات سے پاک ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اسکو احاطہ کئے ہوئے اور شامل نہیں ہے اور اسکا وجود زمان پر موقوف نہیں ہے جب زمانہ نہ تھا اسوقت ہی وہ موجود تھا اب بھی کہ زمانہ ہے وہ موجود ہے وہ زمانہ میں نہیں کہ زمانہ کے ہمراہ ہے

لَا مِثْلَ لَهَا وَلَا شِبْهَہَا وَلَا حِدًّا وَلَا نِدًّا وَلَا ظَرِيفًا وَلَا مَعِيْنَ اللہ جل جلالہ کی ذات اور صفات میں کوئی اسکی مانند اور مشابہ نہیں اور نہ اسکی ضد اور نہ ند جو اسکے مخالف ہو ضد وہ مخالف ہے جو غیر خلیس سے ہو اور نہ وہ مخالف ہے جو اُس شے کے بجنس ہو۔ اور نہ کوئی اسکا پشت پناہ ہے اور نہ مددگار۔

وَلَا يَحِيطُ بِغَيْرِہَا وَلَا يَحِيطُ فَيُوْنُہُ اپنے غیر کے ساتھ ملکر ایک ہو اور نہ غیر میں حلول کرے کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک ہونے کی ضد ہے اور غیر میں حلول کرنا یعنی داخل ہونا اجسام کی صفات میں سے ہے جیسا پانی مٹی میں اور آگ تپھر میں روشنی گھر میں آدمی مکان میں ہے یہاں مذہب حلول اور اتحاد کا بطلان ہوا۔

پروردگار کی ذات و صفات میں کوئی اسکا مانند و مشابہ نہیں عالم ایک ہوا اور نہ غیر میں حلول کرے

مَنْصُورٌ بِمَجْمُوعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ مَنْزُوعٌ عَنْ مَخْلُوقَاتِ النُّقْصِ وَالزُّوَالِ صفات کمال سے موصوف ہے اور نقصان زوال کی علامتوں سے پاک ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب قدر صفات بقا اور کمال کی ہیں سب اس میں موجود ہیں اور جب قدر نشان نقص زوال کے ہیں تمام سے منزہ ہے رَجَلٌ جَلَالٌ وَتَعَالَى سَانَةٌ وَهُوَ قَرِيٌّ لِلْوُضُوئِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمان والوں کو اپنا دیدار دکھاویگا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا كُنْتُمْ سَائِرِينَ فِي بَنِي نَدِيمٍ كُنْتُمْ تَتَمَنَّوْنَ أَنْ يَدْعُوَكُمْ فَيُدْعَاكُمْ فَيُخَالِفَكُمْ فَيُخَالِفَكُمْ فَيُخَالِفَكُمْ

بیشک قریب ہی کہ تم دیکھو گے اپنے رب کو قیامت کے دن جیسے دیکھتے ہو چاند کو چودھویں رات تشبیہ فقط دیکھنے میں ہے ذات پروردگار اور چاند میں نہیں ہے اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دیدار میں مقابلہ اور مواجد اور قریب و بعد نہ ہوگا اس بصیرت یعنی آنکھ کو بصیرت کی قوت عطا ہو جائے گی جو آج بصیرت یعنی دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں قیامت کو سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

یہ کہ جس طرح آج اسکو بے کیف جانتے ہیں ایسا ہی اُس دن بے کیف دیکھنے عالم آخرت میں

اور نقصان زوال کی علامتوں سے پاک ہے پروردگار صفات کمال سے موصوف ہو جنی قیامت کے دن ایمان والوں کو اپنا دیدار دکھاوے گا +

ہر روز کی جگہ ہے جو آج پانچ ماہن ہے وہ کل ظاہر ہو جاویگا اور جو آج پوشیدہ ہے وہ کل کو ظاہر ہوگا اور جب شارع علیہ السلام نے خبر دی اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہو گیا (ہاں) اسکی کیفیت اللہ کریم کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بعض کتابوں میں ایسا مذکور ہوا اور مشہور ہے کہ فرشتوں کو اللہ کریم کا دیدار نہیں ہوگا مگر جبریل علیہ السلام کو کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ سے زیادہ انکو بھی نہیں ہوگا اور جنات کو بھی دیدار نہیں ہوگا شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ امام شیخ ابوالحسن اشعری نے جو اہل سنت و جماعت کے پیشوا اور رئیس ہیں اپنی کتاب میں بتلا دیا ہے کہ بہشت میں فرشتوں کو دیدار ہوگا اور امام بیہقی نے بھی اسی کے موافق بیان کیا ہے اور حدیثوں کو اسکی تائید میں) نقل کیا ہے ائمہ متاخرین میں سے بعض نے ایسا ہی لکھا ہے۔

ہاں اگر جنات کی نسبت دیدار کا نہ ہوتا بیان کریں تو ہو سکتا ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اماموں کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انکو ثواب نہیں ملتا اور بہشت میں داخل نہیں ہونگے نہایت بد لہ انکا یہ ہے کہ دوزخ کی آگ سے نجات پاویں لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے ممکن ہے کہ کسی وقت اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوں اگرچہ (آدمیوں کی مانند) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہ ہو۔ عورتوں کی رویت دیدار میں بھی اختلاف ہے حق یہ ہے کہ کبھی کبھی انکو دیدار ہوگا مثلاً دنیا کے بعض ایام عید وغیرہ کی طرح دربار عام ہوا میں انکو دیدار نصیب ہو مومنوں کی طرح نہیں کہ خواص مومنوں کو ہر صبح شام دیدار ہوگا اور عام مومنوں کو ہر جمعہ دیدار ہوگا اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں یہ جو میں نے بیان کیا سیوطی کا کلام ہے۔ کہتا ہوں میں (حضرت مصنف شیخ عبدالحق) کہ عورتیں عام مومنین کی طرح بشارت دیدار میں داخل ہیں اسی طرح فرشتے اور جن داخل ہیں لیکن ہے کہ یہ کرامت (بشارت دیدار) آدمیوں کی واسطے خاص طور پر ہو فرشتوں اور جنات کی واسطے یہ خصوصیت نہ ہو ہاں اگر کوئی دلیل ہم پہنچے تو پھر کوئی خدشہ نہیں لیکن اس بشارت سے عورتوں کو (حرج کرنا جائز نہیں اور کس طرح یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا اور خدیجہ الکبریٰ و خدیجہ صدیقہ و دیگر نسا اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مریم و آسیہ کہ عالم کی عورتوں میں ان میں عرفان و کمال میں بہت مردوں سے زیادہ ہیں دیدار الہی سے ممنوع اور محجوب ہیں۔

بظاہر ہے کہ فرشتوں کو دیدار نہیں ہوگا

جنات کو دیدار الہی ہو سکتا ہے اختلاف ہے

یا عوام مردوں سے اس نعمت و کرامت میں کم ہوں بلکہ ان کو عام مومنات سے مخصوص اور مستحق ہی رکھا گیا۔
 جنگی نسبت احادیث میں اُغیا اور جہد کا تعین ہے تو ہو سکتا ہے چنانچہ سیوطی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ
 اور یہ جو کہتے ہیں (کہ عورتوں کو دیدارِ اسوا سے نہ ہوگا) کہ وہ خیموں میں ہوگیں ضعیف بات ہے کیونکہ
 وہاں خیمے دنیا کے گہروں کی طرح حجاب نہیں ہونگے۔ اور *يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ* ادا *لَمْ يَشْرَوْنَ رِجْمًا* میں جو
 دو صیغے جمع ذکر کے ہیں پہلے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ مومن اللہ کریم کا دیدار دیکھیں گے اور دوسرے
 جملہ کے معنی یہ ہیں کہ بیشک تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ تغلیبا ہے یعنی ظاہر
 مردوں کا بیان کیا گیا اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں والتمدا *عالم* سیوطی نے یہ بھی کہا ہے کہ
 رویت کی یہ تخصیص اور تفصیل بہشت میں داخل ہونے کی بعد ہے اور موقف میں کسی کے ساتھ مخصوص
 نہیں ہے بلکہ کافروں اور منافقوں کو بھی موقف میں رویت ہوگی لیکن جلال و قہر کی صفت میں ملے گی
 اسکے بعد محبوب کئے جاؤ گئے تاکہ حسرت اور غائب زیادہ ہو والتمدا *عالم* اور اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کی
 نسبت بھی اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ خواب میں دیدار پروردگار سے مشرف ہونا درست ہے اور
 سلف سے اسکے متعلق روایتیں منقول ہیں۔ امام احمد سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے
 رب العزت کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا اے پروردگار سب عبادتوں میں کونسی عبادت افضل
 ہے اور تیری بارگاہ میں پہنچنے کا کونسا راستہ نزدیک ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت۔ امام *عظیم رحمۃ اللہ*
 علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے پروردگار عالم کو سو دفعہ خواب میں دیکھا۔ ابن سیرین *ج* اکابر تابعین
 سے ہیں اور خواب کی تعبیر میں پیشوا مانے جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالیٰ کو خواب میں
 دیکھے (تعبیر اسکی یہ ہے) کہ بہشت میں داخل ہوا دغم و رنج سے نجات پاوے۔ یہ درحقیقت مشاہدہ
 قلبی ہے آنکھ کا دیکھنا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی آنکھ سے دیکھے وہ مثال کا دیکھنے والا ہے حق تعالیٰ
 مثل نہیں ہے مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو جمع صفات میں مثل لہ کے مشابہ ہو۔
 مثال میں مساوات شرط نہیں ہے مثلاً عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں اور وہ جمع صفات میں
 آفتاب کی مثل نہیں ہے حالانکہ آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں مناسبت صرف اس میں ہے کہ ہر طرح
 آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں عقل کے نور سے معقولات منکشف ہوتی ہیں۔
 مثال ہونے کی واسطے اسقدر مناسبت کافی ہے اسی طرح بادشاہ کو سورج کی مثال اور چاند کو

خواب میں پروردگار کا دیدار درست ہے۔

۴
مثال ہے

وزیر کی مثال دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے اُسکی تعبیر یہ ہے کہ بادشاہ سے ملے اور جو چاند کو خواب میں دیکھے اُسکی تعبیر یہ ہے کہ وزیر سے ملے۔ حق تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَثَلُ نُورٍ مِثْلُ نُّورٍ بِمِثْلِهَا مُبِينٌ ^{وَرَجُلٌ يَعْنِي اللّٰهَ كَمَثَلِ نُورٍ كِى مِثَالِ مَا نَهْدِ طَاقَ كَيْ يَكُوْنُ اَسْمِيْنَ} چراغ ہے اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہے اور اللہ پاک ہے اُس سے کہ مصباح اور زجاجہ یعنی چراغ اور قندیل اور طاق اور درخت و زیتون اُسکی مثل ہوں رہاں اُسکے نور کی مثال ہیں) اور قرآن کو جبل متین یعنی مضبوطی سے تعبیر کیا۔ اور شک نہیں ہے کہ رسی مثل قرآن نہیں ہاں مثال ہے۔ عالم خواب عالم مثال ہے۔ اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی اسی طرح ہے۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام محمد الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم کرنی چاہیے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

دنیا میں اللہ سبحانہ کو سر کی آنکھ کے دیکھنے میں بیداری کی حالت میں دو قول ہیں اُستاد ابو القاسم قشیری صاحب رسالہ نے فرمایا کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے۔ اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ شرب معراج میں حسب روایت عبدالمدین عباس رضی اللہ عنہما کے دیدار ہوا اور کسی کو میسر نہ ہوا۔

محدثین اور فقہاء و متکلمین اور مشائخ طریقت کا اسپر اجماع ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کو دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیدار پروردگار میسر نہیں ہوا۔ کتاب تعرف میں لکھا ہے مشائخ میں سے کسی نے رویت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کسی سے ثبوت کو پہنچا مگر جاہلوں کے گروہ سے کہ انہیں کوئی نہیں جانتا۔ مشائخ اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ رویت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی رویت کا دعویٰ کرنا معرفت کے حاصل نہ ہونے کی نشانی ہے جس نے یہ دعویٰ کیا حقیقت میں اُس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ شیخ علاء الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرف میں فرمایا ہے کہ اگر کسی معتبر سے نقل اسکی صحت کو پہنچے تو اسکی تاویل کرنی چاہیے۔ تفسیر کواشی میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے رویت الہی کا معتقد مسلمان نہیں ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اور وہی نے کتاب النوار میں جو شافعی فقہ کی کتاب ہے لکھا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو دنیا میں (سر کی آنکھ سے) دیکھتا ہوں اور اُسکے ساتھ بالمشافہہ کلام کرتا ہوں وہ کافر ہے۔

اور عقیدہ منظومہ میں یہ اشعار ہیں۔ وَمَنْ قَالَ فِي النَّيَّارِ لَوْ بَعِثْتَنِي فَقَدْ لَبِثْتُ بِرَبِّكَ ذَاكَ
 وَخَالَفْتُ كِتَابَ اللَّهِ وَالرُّسُلَ كُلَّهَا، وَزَلَّخَعَنَ الشَّرْعَ الشَّرِيفَ وَبَعْدًا، وَذَلِكَ مِمَّنْ قَالَ فِيهِ الْفَسَادُ
 بَرِي وَجْهٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَسْوَدًا، ترجمہ اور جس شخص نے کہا کہ وہ اللہ کو دنیا میں اس آنکھ سے
 دیکھتا ہے وہ شخص زندیق ہے اس نے گمراہی اختیار کی اور سرکش ہو اور مخالفت کی اللہ کی کتابوں
 کی اور اسکے تمام رسولوں کی اور شرع شریف کے راستہ کے خلاف ہو گیا اور رو رہا ہو گیا یہ ان
 اشخاص میں سے ہے جنکی نسبت اللہ نے فرمایا کہ ان کا چہرہ قیامت کے دن سیاہ نظر آوے گا۔
 وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ نہیں پھر ناگناہ سے اور نہیں قوت نیک کام کرنیکی مگر ساتھ بدو اللہ کے
 خَالِقِ كُلِّ شَيْءٍ اللَّهُ تَعَالَى پیدا کرنے والا تمام چیزوں کا ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمانوں
 اور زمینوں میں ہے اور ان سب کی ذات اور انکے کام اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اسکی قدرت ہے۔
 وَمَنْ يَرَهُ أَوْ مَقْدَرَهُ تَدْبِيرُ كَرْنِ وَالْأَسْبَابِ كَامُونَ كَانْدَا زَهْ كَرْنِ وَالْأَتَامِ جِزْرُونَ كَا وَهِي هِے۔
 تدبیر عبارت ہے کاموں کا انجام معلوم کر کے ایسی درستی سے بنانا کہ ان میں کوئی نقصان پیدا
 نہ ہو اور تقدیر قدر مخصوص اور اندازہ معین سے جو ازل میں ہو چکا تھا اشیا کو پیدا کرنا۔ خیر و شر اور
 نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الہی سے ہیں۔

وَعَالِمِ الْجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ اور اللہ تمام اشیا کا عالم ہے جزو کل تمام عالم کے ذرات میں سے ہر ایک
 ذرہ اسکے علم سے باہر اور غائب نہیں ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَوْنِي جِزْرٍ اسپر واجب اور لازم نہیں ہے نہ لطف اور نہ قہر اور نہ ثواب
 نہ عقاب خدا وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے خدا پر کچھ حکم نہیں کر سکتے عبادت کرنے والوں کو ثواب اسکے
 فضل سے ہے اور گناہ گاروں کو سزا اسکے عدل سے ہے اللہ جل شانہ ہر حالت میں قہر میں
 عدل میں فضل اور کرم میں محمود ہے کسی کو اسپر استحقاق اور حق لازمی نہیں ہے ہاں اس نے خوب
 فرمایا ہے کہ فرمانبروار و نیکو ثواب دوں گا اور نافرمانوں کو عذاب کروں گا یقیناً ایسا ہی ہو گا جیسا اس نے
 فرمایا لیکن یہ اسپر واجب نہیں ہے اور اگر بالفرض اس کے خلاف کرے کسی کی یہ طاقت
 نہیں کہ کہہ سکے ایسا کیوں کیا۔

وَأَخْرَضَ لِفِعْلِهِ اسکو اپنے کاموں کے متعلق کوئی غرض نہیں اس واسطے کہ صاحب غرض اپنی غرض کے پورا کرنے کا محتاج ہوتا ہے لیکن اسکے ہر ایک کام میں حکمتیں ہیں کہ انسان انکی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز ہے اور جو فائدے ان حکمتوں سے پہنچیں وہ مخلوق کے واسطے ہیں۔ اللہ پاک کو ان فائدوں کی احتیاج نہیں خلقت کا موجود ہونا اور معدوم ہونا اور اسکے نفع اور نقصان پروردگار کی ذات کی نسبت یکساں ہیں وہ اپنی حقیقی اور ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے (اگرچہ ہر کام مصلحت سے ہوتا ہے) مگر رعایت حکمت اور مصلحت اس پر واجب نہیں ہے جَلَّ جَلَالُهُ وَعَظَمَ شَأْنُهُ

وَأَحْكَمَ سِوَاكَ اُسکے سوا کوئی حاکم نہیں ہے صرف اسی کا حکم ہے واجب حرام اور حسن قبح پر ثواب یا عذاب اسی کے حکم سے مرتب ہوتا ہے اچھا کام وہ ہے جسکا اُس نے حکم دیا برا وہ جس کو اُس نے منع فرمایا پس کام کا اچھا ہونا یا برا ہونا شایع کے حکم دینے یا منع کرنے کے متعلق ہے یہاں عقل کا کچھ دخل نہیں ہے کہ وہ حکم لگا دے یہ فعل اچھا اور موجب ثواب ہے اور یہ کام بُرا اور باعث عذاب ہے پس جن لوگوں کو دعوت اسلام نہ پہنچے جیسے پہاڑ کے رہنے والے کہ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مر گئے اور آبادی والوں سے نہیں ملے آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہونگے ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ایمان نہ لانے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد نہ کرنے پر ماخوذ ہونگے کیونکہ استقدر معلوم کر لینا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ تمام صفات کمال سے موصوف ہے شرع شریف پر موقوف نہیں عالم کا تغیر اور امکان دیکھ کر عقل کے نزدیک توحید صانع پر ایمان لانا واجب ہے۔ پہلے فریق کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے وَكَذَلِكَ نَبِّئُكَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے مگر جب کہ اسکے پاس رسول بھیجیں رسول اسلام کی طرف بلائے اور وہ اسکے بلائے کو نہ مانیں رسول کی مخالفت کریں تب عذاب کے مستحق ہوں گے اور یہ تاویل کرنا کہ مراد رسول سے اس آیت شریفہ میں عقل ہے محض لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ شیخ کمال الدین ابن ہمام نے کہ محققین حنفیہ سے ہیں فریق اول ہی کی تائید کی ہے ابو الیاس برودی ہی اسی طرف ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

وَالْحَسَنُ وَالْحَسَنَةُ الشَّرْعُ وَالْقَبِيحُ وَالْقَبِيحَةُ الشَّرْعُ پس لازم آیا کہ فعل حسن اور

نیک کام وہی ہے کہ شایع علیہ السلام نے اسکا حکم دیا اور فعل قبیح اور بھلا کام وہ ہے کہ شایع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا خود فعل اپنی ذات میں نہ حسن ہے نہ قبیح کیونکہ اچھے اور برے کی نسبت ثواب یا عذاب آخرت کا مترتب ہونا عقل کی دریافت سے باہر ہے۔ ہاں فعل کے متعلق مدح اور ذمہ کا ہونا مثلاً عدل کو اچھا جاننا اور ظلم کو بُرا سمجھنا یا علم کو صفت کمال اور جہل کو صفت نقصان خیال کرنا یہ عقل کے متعلق ہے اور عقل اسکو پہچانتی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةٌ اور اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں اجسام اُن کے نورانی ہیں جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں حقیقت انکی ارواح مجرورہ ہیں اُنکا بدن اُنکے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے نہ مرد ہیں نہ عورت ہیں تو الودو تناسل کا سلسلہ انہیں جاری نہیں۔ آسمان اور زمین بلکہ عالم کے تمام اجزا پر فرشتے موکل ہیں کہ اس کے مرنی اور مدہر و نگہبان ہیں اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں بعض اعمال کے لکھنے پر اور بعض شیطان سے اور دیگر موزیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ فرشتوں سے معمور نہ ہو حدیث میں آیا ہے کہ تمام خلقت کے دس حصہ ہیں جنہیں نوحیہ فرشتے اور ایک حصہ باقی مخلوقات ہے۔

اُولٰٓئِکَ اَجْنَبَتٌ مِّنْہُمْ وَاُولٰٓئِکَ نَزَّہٰتٌ بَازُوہِیْنَ دو دو تین تین چار چار قرآن شریف میں فرشتوں کے واسطے بازوؤں کا ہونا ثابت ہے لہذا اسپر ایمان لانا اور اعتقاد کرنا واجب ہے اور واقعی مراد کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے یا یہ تاویل کیجاوے کہ بازوؤں سے مراد قوائے ملی ہیں جیسا کہ حکم تشابہات قرآنی کا ہے واللہ اعلم اور عدد مذکور سے مراد حصر نہیں ہے کہ چار چار بازو تک فرشتوں کے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کے چہ سو پر دیکھے۔

مِنْہُمْ جِبْرِیْلٌ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب ہیں کہ عالم کے بڑے بڑے کاموں پر مامور ہیں اور ملک و ملکوت کے اہم معاملات انکے سپرد ہیں ایک ان میں جبریل علیہ السلام ہیں کہ علوم کا اتھار کرنا اور وحی کا انبیاء علیہم السلام پر پہنچانا انکے سپرد ہے۔

اِسْمٰکَیْمَیْلٌ دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں کہ مخلوقات کے رزقوں کا پہنچانا اور انکی مقادیر انکے سپرد ہیں

اور ان کے تیسرے اسرائیل علیہ السلام ہیں کہ صور کا پھونکنا پہلی بار واسطے ہلاک ہونے عالم کے اور دوبارہ قبروں سے اٹھ کر محشر میں حاضر ہونے کی واسطے صور پھونکنا ان کے سپرد ہے اور عزرائیل چوتھے عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ تمام عالم کی ارواح کا قبض کرنا ان کے متعلق ہے۔ اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ چاروں فرشتے فضیلت میں برابر ہیں۔ سوائے ان چاروں کے اور فرشتے بھی مقرب اور عظیم الشان ہیں انہیں آٹھ فرشتے عرش کے اٹھانے والے ہیں عظمت ان کے اجسام کی اس قدر ہے کہ ان کے کندھوں سے کان کی ٹونگ دو سو برس کے راستہ کی برابر مسافت ہے اور ایک روایت میں سات سو برس کے راستہ کی برابر فاصلہ آیا ہے۔

وَلِكُلِّ وَاٰجِدِيْنَهُمْ مَّقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور ہر ایک کے لئے ان فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ کے قرب اور بارگاہ میں مقام معلوم اور مرتبہ خاص ہے کہ اس سے تجاوز اور ترقی نہیں کرتے اور جو کمال کہ لائق ان کے حال کے ہو بالفعل انکو حاصل ہے ان میں شوق تحصیل کمال کا نہیں اور جو چیز ان کے حق میں بالقوہ ہو اسکو بالفعل نہیں کرتے کیونکہ شوق اس چیز پر ہوتا ہے جو حاصل نہ ہو اور مفقود ہو اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ ملائکہ میں عشق نہیں اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت نہیں ہے۔

لَا يَعْصُوْنَ لِلّٰهِ مَا اَوْحٰى لَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يَوْمَرُوْنَ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جسکا انکو حکم دیا جاتا ہے۔ ابلیس نے جو نافرمانی کی درحقیقت وہ فرشتہ نہ تھا بلکہ اصل خلقت میں جن تھا عبادت کے سبب فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا انجام کار اس نے اپنی اصل کی طرف رجوع کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتے اور جن پیدائش میں ایک دوسرے کے قریب ہیں کہ نار نور بھی رکھتی ہے اور وہواں بھی اگر وہواں آسمان سے جاتا ہے تو نور ہوا سے والدر علم۔ وَلَوْ كُنْتُمْ اَنْزِلْتُمْ اَعْلٰى دُسُلٍ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں جو بعض انبیاء پر نازل کی ہیں اور سب کو انکی متابعت کا حکم دیا ہے تمام کتابیں ایک سو چار ہیں جن میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں **هٰذَا التَّوْرَةُ اَنْ اَسْمٰى كِتَابُوْنَ** میں سے ایک توراہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اسی کتاب کے تابع ہیں۔ **وَالزَّبُوْرُ** دوسری کتاب آسمانی زبور ہے

کہ داؤد علیہ السلام پر اتری ہے۔ وَالْإِنجِيلُ اور تیسری کتاب آسمانی انجیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔

اور یہ تمام کتابیں بعد ذکر اللہ اور بیان احکام شرعی کے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اور ان کے احوال اور اوصاف سے پر ہیں۔ انبیاء سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے عمدہ اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب اور محامد میں گذرتے تھے کہ حضور کے نام مبارک سے بارگاہ الہی میں تقرب اور توسل کی تلاش کیا کرتے تھے۔ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ اور چوتھی کتاب آسمانی قرآن شریف ہے کہ تمام کتب آسمانی کا خلاصہ ہے اور یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اعجاز نظم قرآن شریف کا خاصہ ہے جو کسی کتاب آسمانی میں نہیں رہی کوئی بشر قرآن شریف کی تین آیتوں کے برابر نہیں بنا سکتا (توراہ ضخامت میں اس قدر بڑی ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں ہو سکتی تھی لیکن قرآن مجید باوجود اختصار کے سب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں پر سیرگاہوں کی واسطے باعث ہدایت ہے۔ تمام کتابیں اس حیثیت سے کہ خدا کا کلام ہیں بڑا ہیں اگرچہ بوجہ دیگر ایک دوسری سے افضل ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام نفس پیغمبر ہونے میں سب برابر ہیں جیسا کہ فرمایا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ سَلِيمٌ نہیں فرق کرتے ہم رسولوں میں سے کسی میں مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں جیسا کہ فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمُ عَلَىٰ بَعْضٍ یہ رسول بزرگی دی ہم نے بعض کو بعض پر۔

وَأَسْمَاءُ تَوْقِيفِيَّةٌ اور نام اللہ کے توفیقی ہیں یعنی سننے پر موقوف ہیں اور شرع شریف سے منقول ہیں پس جو نام شرع شریف میں آیا ہے اسی سے اللہ کو پکار سکتے ہیں اپنی طرف سے نیا نام مقرر نہیں کر سکتے اگرچہ عقل کے نزدیک اسکا اطلاق درست ہو یا اسکے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو شافی کہتے ہیں طیب نہیں کہتے جو او کہتے تھے سخی نہیں کہتے عالم کہتے عاقل نہیں کہتے۔ جانتا چاہیے کہ یہ مانعت نام رکھنے میں ہے وصف کرنے میں مانعت نہیں کیونکہ نام رکھنا ایک تصرف ہے کہ سوائے نام رکھنے والے کے اور کسی کو نہیں پہنچتا اور

یہ گفتگو ان ناموں میں ہے جو صفات اور افعال سے لیے گئے ہیں ورنہ اسماء اعلام میں کلام نہیں
 کہ ہر زبان ذات الہی کی واسطے موضوع ہے لیکن کفار کی زبان میں جو نام مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ
 کو ان سے پکارنا نہیں چاہیے کہ اس میں اندیشہ کفر کا ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ اسماء الہی ان ننانوے
 ناموں میں منحصر نہیں ہیں بہت سے نام ایسے ہیں کہ خلقت کو نہیں معلوم کرائے اور بعض اسماء الہی
 ایسے ہیں کہ خلقت ان کو جان نہیں سکتی اور شرع شریف میں بھی ان ننانوے سے زیادہ آئے
 ہیں لیکن ان اسماء کی شہرت ایک خاصیت خاص کے سبب ہے جو ان میں رکھی ہے چنانچہ فرمایا
 حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ
 یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے انکو یاد رکھا جنت میں داخل ہوا۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ
 مثلاً کوئی بادشاہ کے میرے ہزار سوار ایسے ہیں کہ جو شخص ان سے مدد چاہے مدد کرتے ہیں
 اور جہاں جاتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس بادشاہ کے پاس
 سوا ان ہزار سوار کے اور سوار نہیں ہیں بلکہ بادشاہ کے سوار پیشمار ہیں مگر ان میں ہزار
 اس قسم کے ہیں کہ بیان کئے بس اللہ کے نام پیشمار ہیں لیکن ان ننانوے ناموں کے ذکر میں یہ خاصیت
 ہے کہ انکے یاد کرنے سے جنت میں داخل ہوگا واللہ اعلم۔

وَهُوَ خَالِقُ اَفْعَالِ الْعِبَادِ فَالْكَفْرُ وَالْمَعْصِيَةُ بِاِرَادَتِهِ وَتَقْدِيرِهِ لَا بِرِضَاكَ اَوْ اَللّٰهُ هِيَ بِنَدْوٰى كِى
 افعال کا پیدا کرنے والا ہے پس کفر اور گناہ اسی کے ارادہ اور تقدیر سے ہے مگر وہ کفر اور گناہ سے
 رضا مند نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے پس بندوں کے
 افعال بھی اسکی پیدائش اور تقدیر سے ہیں کہ افعال بھی منجملہ اشیاء کے ہیں اور وہ عموماً تمام اشیاء
 کا خالق ہے خاص افعال عباد کی نسبت بھی فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا
 اور تمہارے علموں کو پیدا کیا۔ غرض کفر اور ایمان اور طاعت و عصیان نیکی اور بدی بندوں سے
 اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر اور حکم سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور طاعت اور نیکی
 سے رضا مند ہے اور کفر و معصیت سے ناراض ہے چنانچہ فرمایا وَلَا يَرْضٰٓ لَكُمْ اَللّٰهُ اِلٰهًا اٰنَا اَللّٰهُ اِنْتُمْ
 بندوں سے کفر کرنے میں رضا مند نہیں ہے۔ چاہنا اور پیدا کرنا دوسرا امر ہے اور راضی ہونا امر
 دوسرا۔ رضا جب سمجھی جاوے کہ حکم کرے یوں کرو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے

سبب سے حکم کرتا ہے لیکن اسکا واقع ہونا نہیں چاہتا اور حکمت اسکی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے مالک اپنے بندہ کی نافرمانی اور گناہ کا اثبات اور اظہار کرنا چاہتا ہے بندہ کو کسی کام کرنے کا حکم دے اور یہ نہ چاہے کہ وہ کرے تاکہ اسکا نافرمان ہونا سب پر ظاہر ہو جائے اس جگہ امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ حقیقت بندوں کی جو علم ازلی میں پوشیدہ ہے وہ کھل جاوے اور یہ معلوم ہو جاوے کہ کون مطیع اور فرمانبردار ہے اور کون فاسق اور غیر فرمانبردار ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وَالْعِبَادِ أَفْعَالُ اِخْتِيَارِيَّةٍ يُتَابُونَ بِهَا وَيُعَاقَبُونَ عَلَيْهَا اور واسطے بندوں کے افعال اختیار ہیں جن کے کرنے سے انکو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر سے ہے بندہ بھی فاعل و مختار ہے کہ اپنے کام میں اختیار رکھتا ہے مجبور اور مضطر نہیں۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر مترتب ہے جو بندہ کو حاصل ہے۔

اول جانا چاہئے کہ جبر و اختیار کے کیا معنی ہیں تاکہ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے کسی چیز کا تصور کرے اگر وہ چیز اسکی طبیعت کے موافق ہو اسکے باطن میں اسکے کرنے کی خواہش پیدا ہو اور اس خواہش کے پیچھے چلے اور اسکی طرف حرکت کرے اور اگر وہ چیز طبیعت کے مخالف ہو نفرت اور کراہت اس سے دل میں پیدا ہو اور اسکے نہ کرنے کی طرف حرکت کرے حالانکہ خواہش اور نفرت پیدا ہونے سے پہلے اس چیز کا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا اور ممکن تھا کرتا یا نہ کرتا خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہی یا تصور سے پہلے جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیار سی کہتے ہیں اور جو فعل اس حرکت پر مترتب ہو وہ فعل اختیاری ہے۔

دوم یہ کہ کام سے پہلے اسکا تصور اور شوق اور خواہش نہ ہو بغیر خواہش کے رشتہ والے کی طرح حرکت صادر ہو اس حرکت کو جبری اور اضطراری کہتے ہیں۔ پس اختیار ان معنی سے جو قسم اول میں بیان کیا گیا اسکا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہنے لگے آدمی کے کان نہیں یا آنکھ نہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ آدمی کی تمام حرکتیں اور اسکے افعال قسم دوم سے یعنی مرتعش کی حرکت کی طرح ہیں یہ جس کا انکار کرنا ہے جس

کوئی عاقل گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ شبہ پیش آجاتا ہے کہ آدمی کے افعال علم الہی اور ارادت
 انہی اور قضا و قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے ازل میں جانا اور چاہا
 کہ فلان فعل فلان بندہ سے صادر ہو ضرور وہ کام اس بندہ سے ہو گا خواہ بے اختیار ہو جیسے
 حرکت اضطرری یا اختیار سے ہو اگر فعل اختیاری ہو پس انسان کا اس کام کے کرنے اور وجود میں لانے کا اختیار
 مال ہی کہا جاسکتا ہے کہ لخواہش سے کرنا اختیار میں داخل ہے اور نیز آدمی کو اگرچہ فعل میں اختیار ہو گا اسکے
 مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں اختیار نہیں دیا مثلاً اگر انسان کی آنکھیں کھلی
 ہوں پھر نہ دیکھے یہ اسکے اختیار میں نہیں دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے اسکی خواہش پیدا ہوتی
 ہے شوق بڑھتا ہے حرکت اس کام کے کرنے کی پیدا ہو جاتی لازم ہو جاتی ہے پس آدمی کو اختیار ہی
 کر اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا آخر الامر وہی بات قرار پائی جو علماء کہتے ہیں

مختار فی فعلہ و محبور فی اختیارہ یعنی بندہ اپنے فعل میں مختار ہے مگر خود اختیار میں مجبور
 ہے یا یوں کہیے کہ ظاہر میں اختیار ہے اور باطن میں جبر ہے۔ اور درحقیقت مسئلہ تضاد و قدر اور
 بندہ کے با اختیار ہونے کا ایسا ہے کہ عقل اس میں حیران ہے سوائے عجز و سکوت کے چارہ نہیں۔
 بات وہی ہے جو الحدیث نے فرمائی **لَا يُسْأَلُ عَمَّا فَعَلَ ثُمَّ يُسْتَأْذِنُ** یعنی وہ مالک علی الاطلاق ہے اس سے
 کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ یہ کام کیوں کیا بندے پوچھے جاوینگے۔ اس موقف اور مقام میں کہہ رہا ہونا
 اور سوال و جواب کرنا نہیں چاہیے کہ پوشیدہ بہید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہ اہل طریقت کے استاد اور اہل حقیقت کے پیشوا ہیں
 فرماتے ہیں **لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلَكِنْ أَمْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ** مطلب حضرت امام کا یہ ہے کہ جبر فرقہ جبر یہ کا مذہب
 ہے کہتے ہیں آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہے اور اسکی حرکت جمادات کی حرکت کی طرح ہے۔ اور قدر فرقہ
 قدر یہ کا مذہب ہے کہتے ہیں سب کام آدمی کے اختیار میں ہیں اور آدمی اپنے کام میں مستقل ہے
 اور اپنے افعال کا خالق ہے۔ پس حضرت مدوح فرماتے ہیں یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور افرات
 و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ سچا مذہب تو سبط ہے جو مابین جبر اور قدر کے ہے۔

عقل اس تو سبط کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز اور حیران ہے اور فی الواقع یہ میر
 اور سرگردانی بحث کرنے والوں کے واسطے ہے وہ لوگ عقل سے عقائد کو ثابت کرنا چاہتے ہیں

بندہ اپنے فعل کا مختار ہے

اہل سنت و جماعت کا مذہب جبر اور قدر کے مابین ہے

اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آوے اسکی تصدیق نہیں کرتے اور اسپر ایمان نہیں لاتے اور ہم ایمان والوں کو دعویٰ مذکور کے ثبوت پر دلیل قطعی کلام الہی کافی ہے جس میں موجود ہے کہ تمام کام اللہ کی قدرت اور اسکے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ اور باوجود اسکے طاعات اور معاصی کو بندوں کی طرف نسبت کر کے فرمایا **وَإِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظُنُّونَ خَدَّاءُنَ** پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں اور فرمایا **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَأَنْتُمْ كَانُونَ** اور اللہ نے پیدا کیا تمکو اور ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ ان دونوں آیتوں میں دونوں امر کا اثبات کیا پیدا کرنا اپنی نسبت بتلایا اور عمل کو بندوں کی طرف منسوب کیا لہذا ایمان لانا چاہیے کہ دونوں حق ہیں اور اعتقاد کرنا چاہیے کہ خدا کی طرف سے پیدا کرنا اور بندہ کی طرف سے عمل کرنا ہے ہاں اسکی حقیقت اور کہہ ہمارے علم سے باہر ہے۔ دوسرے یہ کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار کی فریغ ہے لہذا اختیار کا قائل ہونا ضروری ہے اور قضا و قدر کا مسئلہ شائع علیہ السلام کے بتلانے سے معلوم ہوا ہے اور اختیار کا مسئلہ بھی شائع علیہ السلام سے معلوم ہوا جب دونوں شرع سے معلوم ہوتے ہیں نزاع وجدال کے واسطے ہے دونوں پر ایمان لانا لازم ہے پس امر متوسط پر اعتقاد کرنا واجب ہوا اور فی الواقع اس مسئلہ میں خوض کرنا جہالت اور گمراہی کی نشانی ہے کوئی عمل اور کوئی حقیقت اسکی بحث پر موقوف نہیں۔ عمل کرنا چاہیے اور حقیقت کا جاننے والا اللہ ہے۔ **إِنَّمَا أَفْكُلُ مِمَّنْ مَّا خَلَقَ لَهُ** عمل کرو ہر شخص آسان کیا گیا ہے اُس کام کی واسطے جسکے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر شارع علیہ السلام سے شکر پیر تر و دو اور خلیان دل میں باقی رہے تو اُس سے بہتر کسی اور دین کا فکر کرنا چاہیے (و نفوذ بالعد من ذلک) ایمان کی حقیقت تو یہی ہے کہ جب تو شارع علیہ سے کچھ سنتے ہو تو یقین لاؤے اور اگر تو نے اپنی عقل پر ایمان کو موقوف رکھا ہے و حقیقت تو اپنی عقل پر ایمان لایا ہے شارع علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا۔ ہم کو اس مسئلہ (حبر و اختیار) کے اثبات

بندوں کے افعال مخلوق تصانیف

قضا و قدر پر ایمان لانا واجب ہے

ان مترجم کتاب ہے کہ شفق الایمان میں مولانا رحیم بخش نے تفسیر نوح العزیز سے مسئلہ حبر و اختیار و قضا و قدر میں عبارت نقل کی ہے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کام اس لئے کیا کہ ہماری تقدیر میں لکھا تھا کہ تقدیر کے حقیقت سے غافل ہیں قضا و تقدیر کے معنی یہ ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کا بیضا ہے ذرہ ذرہ کو شامل ہے پس وہ روز انزل ہے سے کہ فلاں شخص فلاں وقت میں فلاں کام کرے گا وہی اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور وہی ہر شخص کی تقدیر ہے اگر وہ اس کام کا کرنے والا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی تقدیر میں کیوں لکھتا جب تقدیر کے یہ معنی ہوتے تو اس سے ثابت ہوتا کہ تقدیر آدمی کے افعال کے تابع ہے نہ یہ کہ اسکا افعال اسکی تقدیر کے تابع ہوں اب یہ جو کہتے ہیں کہ ہماری۔ باقی آیتیں

میں پہلے سے اسی مسلک پر چلنا چاہیے تھا اور اس رسالہ کی توسط وضع ہی اسی مسلک پر ہی مگر کیا کیا جاوے ظلم کی طبیعت میں طفیانی ہے۔ خدا تعالیٰ ہم کو خطا اور خلل سے بچاوے اور ہم پر یہ چھوڑے
 وَاللّٰهُ يُضِلُّ مَن يَّشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَّشَاءُ اللہ جسکو چاہے گمراہ بناوے اور جسکو چاہے ہدایت
 کرے۔ پیدا کرنے والا ہدایت اور گمراہی کا بندے میں خدا تعالیٰ ہے جسکو چاہے گمراہ کرے اور جسکو
 چاہے سید ہے راہ پر لاوے۔ جسکو وہ گمراہ کرے کوئی اسکو راہ درست پر نہیں لاسکتا اور جسکو وہ
 ہدایت کرے اسکو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ قرآن اور حدیث دونوں سے یہی ثابت ہے ہاں قرآن شریف
 اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کرتے ہیں۔ شیطان اور بتوں کی طرف گمراہی کی
 نسبت کرتے ہیں۔ ہکو دونوں پر ایمان اور دونوں پر اعتقاد رکھنا چاہیے۔

اور دراصل ہدایت کے دو معنی ہیں ایک سید ہا راستہ بتلانا دوم سیدھے راستے سے مقصود
 تک پہنچا دینا۔ یہ دوسرے معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں کسی دوسرے کے اختیار
 میں نہیں اور ہدایت کے پہلے معنی قرآن شریف اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات
 میں ثابت ہیں کہ دونوں سید ہا راستہ بتلاتے ہیں مگر سیدھے راستے سے مقصود تک پہنچانا یہ اللہ
 ہی کا کام ہے پس اِنِّكَ لَتَهْدِي اور وَاِنِّكَ لَتَهْدِي دونوں مطابق ہو گئے۔ یعنی اِنِّكَ لَتَهْدِي
 میں (جسکے معنی یہ ہیں کہ اے نبی آپ ہدایت نہیں کر سکتے) نفی مقصود تک پہنچانے کی ہے اور
 وَاِنِّكَ لَتَهْدِي میں (جسکے معنی یہ ہیں کہ اے نبی آپ ہدایت کرتے ہیں) اثبات راستہ بتانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) تقدیر میں کہا تھا جو ہم سے یہ کام ہوا وہ تقدیر کے معنی اُسٹے سمجھے ہیں کہ اپنے افعال کو تقدیر کے تابع سمجھتی
 ہیں اور یہ اُلٹی تقدیر کو سزا سے نہیں بچا سکتی۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی حاکم اپنے دونوں گروں کو دو کاموں کیلئے
 بھیجے اور اپنی قیافہ شناسی سے معلوم کرے اپنے مصاحبوں سے کہدے کہ ان دونوں میں فلان آدمی تو دیانت دار معلوم ہوتا ہے
 اسے جس کام کو بھیجا ہے ضرور سہرا انجام دینگا اور وہ دوسرا آدمی خائن معلوم ہوتا ہے خیانت کریگا اور کام کو بگاڑے گا۔ پھر وہ
 دونوں آدمی ایسا ہی کریں تو تصور منہا گریہ ولیل پیش کرے کہ آپ نے تو پہلے ہی کہدیا تھا کہ یہ خائن ہے اس لئے میں نے
 یہ کام بگاڑا اور خیانت کی نہ آپ مجھکو خائن کہتے نہ میں ایسا کرتا میرا کیا تصور ہے تو سزا سے بچات کسی طرح نہیں پاسکتا کیونکہ
 حکم کیسے میں نے تیرا قیافہ معلوم کر کے اپنے مصاحبوں سے تیرا یہ حال کہدیا تھا مجھے خیانت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ
 اس سے مجھکو منع کیا تھا کہ ایسا کرے گا تو سزا پاوے گا اس وعدہ کے بوجب اب تو واجب السزا ہے اس
 تقدیر کی رو سے جب آدمی کے فعل اسکی تقدیر کے تابع نہ ہوتے تو وہ اپنے اختیار میں مجبور نہ ہوتا۔ مترجم کہتا ہے۔
 حضرت علامہ مصنف تفسیر فتح العزیز نے سبھانے کے واسطے یہ تقریر بیان فرمائی اس سے یہ مطلب نہیں کہ بندہ اپنے
 افعال کا خالق ہے۔ بلکہ بنظر غور اسی سے واضح ہو گیا کہ خالق افعال عباد اللہ ہی ہے بندہ کا سب اور وہ خالق ہی
 کامل مختار ہے اور وہ بالکل مجبور ہے والہ اعلم بالصواب۔

ہدایت اور گمراہی کی نسبت از خود ہے

اور طویق مستقیم پر چلانے کا ہے۔ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ اور حقیقت سب اللہ کی طرف سے اللہ ہی ہدایت کرنے والا اور وہی توفیق کا عطا کرنے والا ہے۔
 وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ وَتَنَعِيمُ أَهْلِ الطَّاعَةِ بِمَا عَمَلُوا اللَّهُ وَيُؤْتِيهِ
 وَسَوَّالٌ مُنْكَرٌ وَنَكِيرٌ اور عذاب قبر کا کافر اور فاسق کے واسطے اور راحت و آرام فرما کر وارثوں
 کی واسطے جس طرح اللہ کے علم میں ہے اور جس طرح اُس نے ارادہ کیا اور قبر کے اندر منکر و نکیر کا بندہ
 سے سوال کرنا یہ سب حق ہے۔

اہل سنت و جماعت کے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیانی واسطہ ہے اس عالم میں جس طرح خدا چاہے اور اسکے علم میں جس طرح ہو کافر اور فاسق عذاب و تکلیف میں رہینگے اور مومن و فرمانبردار عیش و نعمت میں رہینگے اور منکر و نکیر دو فرشتے ہیں عظیم الجثہ ہیبتناک کالی صورت بنی آنکھیں قبر میں آتے ہیں اور بندہ سے اُسکے پروردگار اور رسول اور دین کی بابت سوال کرتے ہیں اگر اللہ کریم کی توفیق اور تعلیم سے انکے سوال کا جواب بندہ نے صحیح دیا تو اسپر آرام و راحت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ نئی دہن کی طرح آرام سے سوتا ہے اور اسکے حق میں قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ اور اگر (معاذ اللہ) جواب ٹھیک نہ دیا محنت و عذاب میں گرفتار ہوا اور قبر اُسکے حق میں دوزخ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہو جاتی ہے۔

جب آیات و احادیث سے عذاب و ثواب عالم برزخ ثابت ہے اسپر ایمان لانا واجب ہے اور اسکی کیفیت علم الہی کے سپرد کرنی چاہیے خواہ بدن کو زندہ کر کے یہ عذاب ہو یا مقابلہ میں روح کے ہو یا کسی اور طرح ہو اسکا علم قادر مطلق کو ہے جس طرح عذاب دے یا مومن کو نعمتوں میں رکھے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ گنہگاروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام منکر و نکیر ہے اور فرمانبرداروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام مبشر و بشیر ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور اسکا ذکر احادیث میں کم ہے اور کہتے ہیں سوال کرنے والے فرشتوں کی جماعت زیادہ ہے۔ بعض کا نام منکر بعض کا نکیر ہے ہر قبر میں دو فرشتے ان ناموں کے آتے ہیں جیسا نامہ اعمال

عالم برزخ میں کفار و گنہگاروں کو عذاب و تکلیف لگوانا اور مومن و فرمانبرداروں کو عیش و نعمت دینا

لکھنے کی واسطے ہر ایک بندہ کی واسطے دو فرشتے مقرر ہیں اور ممکن ہے کہ وہی فرشتے ہوں اور متعدد مقامات میں ایک ہی وقت تمثیل ہو جاتے ہوں والدراظم۔

صاحب خلاصہ بزازی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ سوال بعد دفن کرنے میت کے ہوتا ہے بلکہ آدمیوں کے غائب ہونے کے بعد اور جو میت کوتاہوت میں دوسری جگہ منتقل کرینی میت سے رکھیں اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہے درندے کے کھانے پیٹ میں اس سے سوال ہوتا ہے۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا اور اگر سوال ہوتا ہے بطور تعظیم اور بزرگی کے توحید اور امت کے احوال سے ہوتا ہے و مؤمنین کے بچوں میں اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں کہ ان سے سوال ہوتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد انکو تلقین کر دیتے ہیں کہ کہہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا رسول ہے اور سلام میرا دین ہے۔ یا اللہ تعالیٰ انکو الہام کرتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو تنی میں الہام کیا۔

اور مشرکین کے بچوں میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کیا ہے کہ ہر شخص کو عذاب کے اور ان کو عذاب ہونے یا ثواب ملنے میں بھی علم اسے تو وقت کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں جاؤنگے بعض کہتے ہیں بہشت میں جاؤنگے۔ محمد بن حسین کہتے ہیں کہ صحیح اس امر کا یقین ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کریگا۔ جنوں سے ہی سوال ہوگا کیونکہ ولانہ سوال ہو گیا عام ہیں جن و انسان دونوں کو شامل ہیں۔ امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے مسلمان جنات کو ثواب ملنے میں توقف کیا ہے اور کافر جن باتفاق عذاب گئے جاؤنگے۔ امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ کافر کا یعنی جو علانیہ کافر ہے سوال نہیں ہوتا بلکہ بغیر سوال گئے اسکو عذاب دینے ہیں البتہ منافق سے سوال قبر میں ہوتا ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ شہید اور مرابط فی سبیل اللہ کے جہاد کے موقع پر پاسبانی کی خدمت بجالاوے اور جو شب جمعہ پاروز جمعہ کو دفن ہوئے اور جو ہر رات سوہ ملک پڑھا کرے اور جو استسقاء یا اسہال کی بیماری میں مرے یہ سب مستثنیٰ ہیں

میں الہام کیا۔

ان بات کا ترجمہ ہے

سَلَّمَ تَرْتَمُّمٌ كَمَا هُوَ كَاهٍ وَمَخْلَقَاتُ بَنِي وَآلِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْعَبْدَانِ مِنْ جَنَاتِ الْإِنْسَانِ فِي طَرَفِ مَلَكٍ بِنَوَابِتِ سَهَابٍ
بِحَالِ مَلَكَيْنِ كِي نَسَبَتْ فَرَايَسُ كَمَا أَنَّ سَعَالَ هُوَ كَمَا قَالَ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُوَ كَيْسٌ مَلَكُونَ مِنْ مَلَكِيَّةٍ
كَمَا جَنَاتٍ سَعَالَ هُوَ كَمَا قَالَ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُوَ كَيْسٌ مَلَكُونَ مِنْ مَلَكِيَّةٍ

کہ جنات سے ہی سوال ہوگا ۱۲

ان سے قبر میں سوال نہیں ہوگا کہ اس باب میں احادیث وارد ہیں۔ امام ترمذی اور ابن عبد البر نے یہ بھی کہا ہے کہ قبر کا سوال اس امت عظمیٰ کی واسطے مخصوص ہے۔ کہتے ہیں حکمتِ اسمیں یہ ہے کہ عالم برزخ میں گناہوں کی آلائش سے پاک ہو کر قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک اٹھیں مشرح عقیدہ طحاوی میں بھی اسی طرح ہے۔ اور تعمیم غدا ب قبر کہ سب کو ہے یا اس مسئلہ میں توقف کہ پہلوں کو ہے یا نہیں۔ دونوں مذہب منقول ہیں والدرا علم۔

جہان کی حدیثوں میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر ستر بچھو اور اڑو ہا ایسے ہونگے کہ اگر ان میں سے ایک بھی دنیا میں سانس لے یعنی پنہکار مارے تمام دنیا اور دنیا کے درخت جل کر خاک ہو جائیں اور درحقیقت وہ سانپ اور چھو بڑے کاموں اور گناہوں اور تعلقات دنیاوی کی صورتیں اس عالم میں متشکل ہو گئی ہیں۔ سانپ بچھو بن کر کاٹتے ہیں۔ ستر کی تعداد یا بغرض کثرت ہی یہی سانپ بچھو بہت ہونگے یا شایع نے اصول صفات کی گنتی پر اطلاع دی ہے کہ بڑی صفتیں اور گناہوں کی جڑیں دنیا میں ستر ہیں یعنی جس نے سب قسم کے گناہ کئے اور سب بڑی صفتیں اپنے اندر پیدا کیں اس کی قبر میں پورے ستر ہونگے اور جس نے کم کئے اسکے واسطے کم ہونگے اسپر اور اسکی مانند اور امور آخرت پر مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگی خبر دی ہے

ایمان اور اعتقاد کرنے کے دو راستے ہیں ایک یہ کہ سانپوں اور بچھوؤں کا وجود ظاہر میں ہے اور کاٹنا انکامیت کو واقعی ہے لیکن ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان آنکھوں سے ہر شخص عالم ملکوت کی باتیں نہیں دیکھ سکتا مگر (جو بوجہ صفائی باطن) عالم ملکوت تک پہنچ گئے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے آپ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا تھا مگر جسکو اللہ تعالیٰ نے چاہا دکھا دیا۔ اور یہ آپکا دیکھنا یا اور کو دکھانا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے خواہ اجسام ہوں یا ارواح ہوں اگر پہاڑ سامنے ہو اور آنکھہ کہو کر دیکھے اور خداوند کریم کو دکھانا منظور نہ ہو تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر خداوند کریم کو دکھانا منظور ہو اور روح کو دیکھ سکتا ہے۔ ایمان کا امتحان اور اعتقاد کی صحت اور احادیث کی پیروی اسی راستہ کے اختیار کرنے میں ہے۔ اور دوسرا راستہ جو ادنیٰ درجہ کا ہے وہ یہ ہے کہ اعتقاد کرے کہ دیکھنا ان

اس مسئلہ سے سوال قبر ایک حکمت پر مبنی ہے

اور آخرت پر بقول مخبر صادق ایمان لانا واجب ہے

سانپ اور بچھوؤں کا ادمان کا اذیت پہنچانا خواب میں دیکھنے کے مانند ہے کہ سونے والا دیکھتا ہے اور تکلیف اٹھاتا ہے اور دیکھنے والوں کو ظاہر میں کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر سونے والے کے حق میں وہ موجود ہیں۔ اگرچہ مقصود اس دوسرے راستے سے بھی حاصل ہے لیکن ایسے اعتقاد والا ضعیف الایمان ہے اور پہلے راستے کے موافق اعتقاد رکھتے والا نچتہ اور سلامتی کے قریب ہے والد الموفق۔

وَالْبَعْثُ حَقٌّ پروردگار تعالیٰ کا قبروں سے مردوں کو اٹھانا اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنا حق اور ثابت ہے تمام قرآن شریف اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے۔ دین اسلام اور مسلمانی کا مدار اسی پر ہے جس ذات پاک نے اول ہی عدم صرف اور نابود محض سے تمام عالم کو پیدا کیا وہ یقیناً قادر ہے کہ دوبارہ عالم کو زندہ کرے اور وجود میں لاوے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اسکو دوبہراویگا اور وہ آسان ہے اسپر۔ اور درحقیقت آدمی کا بیج کہ اسکے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سبب ہے جسکو غیب الذنب یعنی ریڑ کی ہڈی کہتے ہیں اسکو اجزا زمین میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔

جس طرح گھاسوں اور درختوں کا بیج ریت مٹی میں جنگلوں میں دبا ہوا رہتا ہے اور برسات کا مینہ برستے ہی ایک بارگی اُگ جاتے ہیں اسی طرح تمام آدمی اور تمام خلاق پیدا ہو جاؤ گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان سے مینہ برسیگا اسکے سبب سے تمام انسان و حیوانات اور پرندے اور حشرات الارض پیدا ہو جاؤ گے اور اللہ انصاف فرماویگا اور ایک کا بدلہ دوسرے سے دلاویگا۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ قیامت کو تمام خلاق ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے یہاں تک کہ دنیا میں اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی کو مارا ہوگا۔ ایک جیونٹی نے دوسری جیونٹی کو ناحق ستایا ہوگا یہ بھی ایک دوسرے سے قصاص لینگے۔ جب باوجود تمیز اور تکلیف نہ ہونے کے جانوروں میں قصاص ہوگا تو بعض علماء نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ ایک لڑکے کا بھی دوسرے لڑکے سے بدلہ دلا یا جاوے گا اور بعد پرالم دلائے کے تمام حیوانات معدوم کر دیئے جاؤ گے اور جن حیوانات کو ذبح کر کے کھایا ہے وہ بہشت کی خاک بنائے جاؤ گے اور یہ مرنا اور زندہ ہونا اور قبروں سے اٹھنا قیامت کو صور کے نفخوں سے ہوگا پہلا نغمہ قیامت کے شروع میں ہوگا کہ اس سے تمام اہل زمین و آسمان کے دلون میں دہشت اور ہول پیدا ہوگا۔

جس سے زندہ ہو کر اٹھتا ہے

یہاں قیامت کے شروع میں ہوگا

خوف اور وحشت چھا جاوے گی اور تمام جاندار مر جائیں گے اور ہلاک ہو جاوے گی جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا
 يَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ
 اُس دن پھونک ماری جاوے گی سور میں پس گہرا جاوے گی جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں
 مگر جسکو اللہ چاہے دوسری جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
 إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ اور پھونک ماری جاوے گی سور میں پس بیہوش ہو جاوے گی جو آسمان میں ہیں
 اور جو زمین میں ہیں مگر جسکو اللہ چاہے۔

دوسرا نغمہ مردوں کو قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کی واسطے ہو گا کہ اُس کے
 ہوتے ہی مردے قبروں سے نکلینگے اور منتشر ہونگے یعنی میدانِ حشر کی طرف دوڑینگے چنانچہ
 اسی آیت کے آگے فرمایا ثُمَّ نَفِخُ فِيهِ وَأُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ پھر سور پھونکی جاوے گی دوبارہ
 پس ناگہاں وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہونگے۔ اور جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ
 إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ اور سور پھونکی جاوے گی پس وہ دفعتاً قبروں سے پروردگار کی طرف دوڑینگے
 اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہو گا۔ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
 میں کلمہ مَنْ عام آنے سے معلوم ہوا کہ اس فزع اور صعق یعنی گہرا ہٹ اور بیہوشی کا اثر تمام
 اہل آسمان اور اہل زمین کو پہنچے گا۔ جن ہوں یا آدمی یا فرشتے اور إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ جو استثنا
 کیا ہے اس میں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور جبرئیل اور فرشتے و وح
 کے محافظ اور جنت کے نگہبان اور عرشِ عظیم کے اٹھانے والے اور شہید شامل ہیں کہ اُن کو
 بیہوشی نہیں ہو گی۔

قیامت کبھی نغمہ ثانیہ کے زمانہ پر اطلاق کرتے ہیں اور کبھی ابتداءِ امانت یعنی نغمہ اول کے
 وقت سے جنت میں داخل ہونے تک کے سارے زمانہ کو قیامت کہتے ہیں۔

اور فی الواقع اگر نظرِ عبرت سے دیکھا جاوے ہر روز یہ حال آدمیوں پر گذرتا ہے اور
 قیامت سے غافل ہیں اور شارعِ علیہ السلام کی خبروں میں شک کرتے ہیں۔ مثلاً جب شام
 ہوتی ہے اندھیرا ہو جانے سے سب جانوروں اور آدمیوں پر ہول اور خوف اور وحشت
 غالب ہوتی ہے اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں اور کونوں میں گھس جاتے ہیں اور

دوسرا نغمہ مردوں کو قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کا ہو گا

دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہو گا

کھل کر جانتے ہیں کہ پھر کت ہو جاتے ہیں گویا ہلاک ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ یہ حال
 پہلی صبح ہوتی ہے وقت بے اختیار سب بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور
 پھر کدھر چلنے پھرنے لگتے ہیں یہ حالت فقہ ثانیہ کے اثر کی مانند ہے فَسُبْحَانَ الْقَادِرِ
 بِحَقِّ وَيُسَبِّحُ وَالَيْهِ النُّشُورُ۔ پس پاک ہے قدرت والا کہ اپنی قدرت کاملہ سے
 جلاتا ہے اور مارتا ہے اور قیامت کو اسی کی طرف سب کو جاتا ہے۔

وَالْوَزْنُ حَقٌّ۔ یعنی بندوں کے اعمال کا قیامت کے دن تو لا جانا حق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا علم سب
 چیزوں کو محیط ہے لیکن اس تو نے میں بہت حکمتیں ہیں ایک حکمت تو یہی ہے کہ بندوں کا
 حال خود ان پر ظاہر ہو جائے اور حکمتیں جو ہونگی اُس کا علم اللہ کو ہے وہی خوب جانتا ہے اسے
 ایمان لانا چاہیے اور کیفیت تو نے کی اور ترازو کی اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنی چاہیے اس وقت
 ایمان لانے کے واسطے کافی ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ترازو حقیقی ہے اور اُس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور زبان ہے کہ
 معلوم ہوتی ہے اور ہر پلڑا اس کا زمین و آسمان کی مقدار سے زیادہ ہے۔ حضرت سلیمان صحابی رضی اللہ
 عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ایک پلڑے میں رکھیں تو سما جاوے
 نیکیوں کا پلڑا عرش کے داہنے طرف جنت کے سامنے ہے اور بدیوں کا پلڑا عرش کے بائیں
 طرف دوزخ کے مقابل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ترازو سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ
 معلوم ہوگا۔ غرض کسی طرح ہو اصل مقصود قیامت کے دن عدل کا ظاہر فرمانا ہے میزان گویا
 کی مثال ہے۔ یہ کلام بعض علماء کا درجہ تاویل میں ہے اور اصل وہی ہے جیسا کہ احادیث میں
 ہے کہ میزان حقیقت موجود ہے اسی پر ایمان لاوین اور عقل کے فریب میں آکر ایمان میں خلل نہ ڈالیں
 اور جسکو تو لینگے یا وہ اعمال ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے نیکیوں کی صورتیں نورانی اور
 بدیوں کی صورتیں ظلمانی اجسام بنا دیگا اور وہ تو لے جاوینگے۔ یا اعمال کے صحیفے تو لے جاوینگے
 اور قلموں بندوں کے کاموں کے موافق انکو لکھے اور بہاری کر دیگا۔ بلاقہ کی حدیث سے

فَأَمَّا مَنْ فِيهَا مِمَّنْ فَهُوَ فِي عَيْشِهِ رَاغِبًا
 وَمَنْ فِيهَا مِمَّنْ فَهُوَ فِي عَيْشِهِ رَاغِبًا
 وَمَنْ فِيهَا مِمَّنْ فَهُوَ فِي عَيْشِهِ رَاغِبًا
 وَمَنْ فِيهَا مِمَّنْ فَهُوَ فِي عَيْشِهِ رَاغِبًا
 وَمَنْ فِيهَا مِمَّنْ فَهُوَ فِي عَيْشِهِ رَاغِبًا

اس کی جگہ دوزخ ہے ۱۲۔

سچیوں ہی کا تولا جانا بت ہے۔ بطاقتہ کاغذ کے تکرارے کو سچے ہونا نہیں بلکہ سچائی کی بات ہے۔
 لکھیں اور یہاں یہ مراد ہے کہ اگر کسی کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوا ہے تو لا الہ الا اللہ جس کے سوا اور
 ایک کا فخر لکھ کر کہہ دینگے وہ پلڑا بہت بھاری ہو جاویگا اور بعض علماء نے دونوں حدیثوں میں
 تطبیق دیکر یہ قرار دیا ہے کہ اعمال اور صحائف دونوں تو لے جائینگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَفَضِّلْنَا الْمُؤْمِنِينَ الْقِسْطَ لِيُقَاسَ الْقِسْمَةَ
 رکھیں گے ہم عدل کی ترازو میں قیامت کے دن۔ اس آیت شریفہ میں موازن جمع کا صیغہ لائے
 ہیں یہ میزان کی جمع ہے سو جمع کا لانا یا باعتبار ترازوؤں کے متعدد ہونے کے ہے کہ ہر امت
 یا ہر بندہ یا ہر عمل کے واسطے ترازو علیحدہ ہوگی یا باعتبار تعدد اوزان کے ہے یا اس ترازو کی عظمت
 اور کثرت اجزاء کے سبب جمع کا لفظ فرمایا۔

اور اس شخص کے اعمال کا تولنا جس نے ایک نیکی نہ کی ہو یا ایک بدی اس سے سرزد نہ ہوئی
 ہو واسطے اظہار رسوائی اور اسکی نافرمانی کے یا واسطے اظہار شرافت اور کرامت کے ہوگا۔ کافروں
 کے اعمال تو سننے میں یہی حکمت ہوگی ورنہ کفار کے پاس نیکی کہاں اور ممکن ہے کہ حسنت کا ہونا
 کافر کے واسطے باعث تخفیف عذاب ہو۔ کہتے ہیں کہ آخرت کی میزان کا ہلکا ہونا اور بھاری ہونا
 دنیا کی ترازو کے خلاف ہوگا یعنی وہاں وہ پلڑا بھاری ہوگا جو اوپر کو اٹھ جاویگا اور وہ ہلکا ہوگا
 جو نیچے کو جبک جاویگا لیکن بطاقتہ کی حدیث اسکا رد کرتی ہے واللہ اعلم۔

وَالتَّكْتَابُ حَقٌّ اور وہ کتاب کہ اس میں نیکیاں اور نافرمانیاں بندوں کی لکھی ہیں حق اور
 ثابت ہے مومنوں کو انکی کتابیں یعنی اعمال نامے انکے واسطے ہاتھ میں دیئے جاویں گے اور کافروں
 کے بائیں ہاتھ میں انکی پشت کے پیچھے سے دیئے جاویں گے اسطرح کہ بایاں ہاتھ سے چٹا ہوا ہوگا
 یا بایاں ہاتھ سینہ کی طرف سے پشت کی طرف کیا گیا ہوگا اور یہ سب مومنوں اور کافروں میں
 ہونے کے لئے ہوگا کہ جس سے مومن کی عزت ہو اور کافر کی رسوائی اور دولت ظاہر ہو۔ یہ مومنوں
 فرمانبردار اور کافر کا حال بیان ہوا۔ مومن گنہگار کے حال میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں
 ہاتھ میں دیئے لیکن بعد سزا کے اور دوزخ میں سے نکلنے کے۔ بعض کہتے ہیں دل سے نکلنے کے
 دیئے مگر پڑھ نہیں سکے گا جب دوزخ سے نکلیگا تو پڑھیں گے بعض کہتے ہیں نہ نکلے گا نہ پڑھے گا

بندوں کے اعمال نامے حق ہیں

اور باہر میں دیکھے بلکہ سامنے سے دیکھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ میں نہیں دیکھے بلکہ
 احوال نامہ پر کرنا دیکھے اور حق یہ ہے کہ اس باب میں کوئی نص صریح موجود نہیں اس واسطے
 ہی کا حال موقوف ہے اور جب قدر یہ احتمالات بیان کئے گئے بطریق اجتہاد و استنباط کے
 بیان کئے گئے و اللہ اعلم۔

وَالْحِسَابُ حَقٌّ مَّقْصُودٌ كِتَابٌ يَعْنِي أَعْمَالٌ نَامَةٌ مِّنْ حِسَابٍ هِيَ كِتَابٌ حَقٌّ هِيَ حِسَابٌ هِيَ

وَالسُّؤَالُ حَقٌّ اور پوچھنا اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کہ دنیا میں کیا کیا کام کئے اور
 کونسی طاعت ادا کی اور کس معصیت میں مبتلا ہوئے یہ سب حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب
 لیا جاوے گا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اول جبرئیل امین سے پوچھا جاوے گا کہ وحی کی امانت پیغمبر
 کس طرح پہنچائی اور بعض اغویت میں ہے کہ اول لوح محفوظ سے حساب ہوگا اسکو حاضر کرینگے
 اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے کانپتی ہوگی حکم ہوگا اسے لوح تو نے جو جبرئیل کو علوم پہنچائے
 میرا گواہ کون ہے عرض کریگی میرا گواہ اسرافیل ہے اسرافیل حاضر کئے جاوینگے اور سب کے
 بدن پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکے سوال کی ہیبت سے لرزہ پڑا ہوا ہوگا پھر پیغمبروں کو
 حاضر کیا جاوے گا اور ان سے رسالت کے ادا کرنے اور اس امانت کے پہنچانے کا سوال ہوگا
 پھر سب سے) عبادات میں اول نماز کا سوال ہوگا اور معاملات میں خون کا سوال ہوگا۔ اور
 کیاں ظالم کی مظلوم کو دیا جائے اور بدیاں مظلوم کی ظالم پر کہی جاوے گی حدیث شریف میں آیا ہے
 کہ ایک دانگ کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دیا جائیں گی۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اگر
 کس نے ایک سرو کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہو اور نصف دانگ کسی کا اسکے ذمہ ہو تو جب تک
 پیغمبروں کو رضی نہیں کریگا بہشت میں نہیں جاسکتا۔

وَالْحِسَابُ حَقٌّ اور پوچھنا اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کہ دنیا میں کیا کیا کام کئے اور
 کونسی طاعت ادا کی اور کس معصیت میں مبتلا ہوئے یہ سب حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب
 لیا جاوے گا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اول جبرئیل امین سے پوچھا جاوے گا کہ وحی کی امانت پیغمبر
 کس طرح پہنچائی اور بعض اغویت میں ہے کہ اول لوح محفوظ سے حساب ہوگا اسکو حاضر کرینگے
 اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے کانپتی ہوگی حکم ہوگا اسے لوح تو نے جو جبرئیل کو علوم پہنچائے
 میرا گواہ کون ہے عرض کریگی میرا گواہ اسرافیل ہے اسرافیل حاضر کئے جاوینگے اور سب کے
 بدن پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکے سوال کی ہیبت سے لرزہ پڑا ہوا ہوگا پھر پیغمبروں کو
 حاضر کیا جاوے گا اور ان سے رسالت کے ادا کرنے اور اس امانت کے پہنچانے کا سوال ہوگا
 پھر سب سے) عبادات میں اول نماز کا سوال ہوگا اور معاملات میں خون کا سوال ہوگا۔ اور
 کیاں ظالم کی مظلوم کو دیا جائے اور بدیاں مظلوم کی ظالم پر کہی جاوے گی حدیث شریف میں آیا ہے
 کہ ایک دانگ کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دیا جائیں گی۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اگر
 کس نے ایک سرو کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہو اور نصف دانگ کسی کا اسکے ذمہ ہو تو جب تک
 پیغمبروں کو رضی نہیں کریگا بہشت میں نہیں جاسکتا۔

حساب حق ہے
 سوال حق ہے

بہائی و فخر میں اور حقیقت بخوانی میں ہیں عالم آخرت سے پہلے ہی میں سے ہونے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔
 کیا ہوگا اور کیا دن پیش آنے والا ہے تمام دن باتیں بنانے میں مشغول رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا کچھ فکر نہیں کرتے **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔
 اسے انسان اتبوعدا تعالیٰ کی رحمت کی طرف دیکھ کہ اگر وہ چاہے گا وہ جیوں کو اس طرح لٹائی کر دیگا کہ اول انکو جنت وور سے دکھایا وینگا اور فرما وینگا اسکو کون خرید کرتا ہے وہ عرض کریں گے اسے خداوند اسکو کون خرید سکتا ہے اور اتنی قیمت کس کے پاس ہے کہ بہت ہے فرمان ہوگا تم خرید سکتے ہو اور اسکی قیمت تمہارے ہاتھ میں ہے اگر یہ حق اپنا جو اس بہائی مسلمان کے ذمہ ہے معاف کر دو اور اسکو بری الذمہ کرو تو اسکے عوض تم کو جنت ملجاوے پس وہ راضی ہو جاوینگے اور بخشدینگے۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوال کے وقت اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی رحمت و مغفرت کے پردے میں ڈھانک لیگا اور ان سے اسطرح پوچھے گا کہ کسی کو خبر نہ ہوگی اور فرما وینگا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارے گناہوں کو چھپایا آج اپنی رحمت سے بخشدیا اور شیکیوں کے اعمال نامے انکے ہاتھ میں دے دیگا۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کریگا منادی آواز دینگا۔
أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ آگاہ ہو جاؤ ظالموں پر خدا کی پشکار ہے۔
سُبْحَانَ ذِي الْعَدْلِ الْقَوِيِّ الْفَضْلِ الْعَظِيمِ پاک ہے اللہ قوی عدل والا اور بڑے فضل والا اللہ اللہ اللہ اسکا فضل اپنا کام کرتا ہے لیکن اسکے عدل سے خوف ہے۔ اگر دو دہریک جلائے کر مہ عزت ملیا گوید نصیبے برم * پچھے بہ بیت پڑ ہی دوسری بھی پڑے۔ تہدید اگر بر کشف حکم * بانند کر و بیان صم کم * ایک جگہ قرآن شریف میں فرمایا **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** آگاہ ہو حقیق اللہ کے دوستوں کو خوف نہیں اور نہ وہ غم کریں گے۔ دوسری جگہ فرمایا **لَا يَسْئَلُونَ** خداوند کریم نہیں پوچھا جاتا اس کام سے جو وہ کرتا ہے۔ بندے پوچھے جاوینگے سوائے عاجزی اور بیچارگی کے اور کچھ ہم نہیں کر سکتے ہم کو وہنوں پر ایمان لانا چاہیے باقی مالک اور حاکم وہی ہے واللہ علی کل شیء قدير اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
وَالْحَوْضُ حَقٌّ اور حوض کوثر حق اور ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن حوض کوثر عطا فرمایا کہ وہ اسکا پانی پئے اور اسکا پانی پینے والوں کو جنت دے گا۔

ومن انزلہ

کی تفسیر میں علماء نے اسی حوض کوثر کا ذکر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 فرمایا اسے رسول ہم نے تمہیں حوض کوثر دی ہے اسکی مسافت ایک مہینے کے راستہ کے برابر
 ہے اسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اسکی خوشبو مشک سے بہتر اور شہد سے زیادہ شیریں ہے
 یہ زیادہ ٹھنڈا ہے اسپر جو کوزہ رکھے ہیں وہ گنتی میں آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں اور روشنی
 و چمک میں بہتر ہیں جو شخص ایک دفعہ اس حوض کا پانی پیگا کبھی پیسا نہیں ہوگا اور اس حوض کا
 نول آحادیث میں مختلف ہے اور اسکا سبب مخاطبوں کے احوال کی رعایت ہے چنانچہ مین والوں
 سے فرمایا **صَنَعًا وَالْإِيَّادِيْنَ** یعنی حوض کوثر کا طول صنعا و شہر مین سے عدن تک
 ہے شام والوں سے اور الفاظ میں فرمایا۔ پس ہر شخص کو جو مسافت معلوم تھی اور اسکی زبان میں
 شہود تھی اسکو وہی بتلائی اور بعض احادیث میں تحدید زمانہ کے ساتھ بھی بیان ہوئی ہو مثلاً جیسا کہ
 گذرا کہ اسکا طول ایک مہینے کے راستہ کے برابر ہے حاصل معنی بیان کرنا حوض کی وسعت اور
 بزرگی کا ہے۔

کہتے ہیں ہر غیر کیواسطے ایک حوض ہوگا موافق انکے مرتبہ کے۔ امام قمری فرماتے ہیں کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں دونوں کا نام کوثر ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے
 ہر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ حوض کوثر کے ساتی ہونگے۔ آج کے دن جو انکی محبت سے سیراب
 و انکی زیارت کا پیاسا نہیں اس حوض میں سے اسکو پانی ملنا دشوار ہے۔ اور حدیث میں آیا
 ہے ہر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسکے دل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں
 گی حوض کوثر کے پانی کا ایک قطرہ اسکو نہیں دوںگا۔

یہ صراط حق ہے

الضَّرَاطُ حَقٌّ اور یہ صراط حق ہے حق تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر
 پل رکھیگا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور تمام خلقت کو حکم فرماویگا کہ
 اسکی گزرتی ہیں بہشتی اسپر سے گذر کر بہشت میں داخل ہونگے کوئی چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گذرتی
 ہے اور اسکی مانند بعض تیز گھوڑے کی طرح بعض اس سے کم۔ غرض ہر ایک کا یہ صراط پر
 گزرنے کے دنیا میں اتباع اور ایمان کے موافق ہوگا۔ اگر دنیا میں صراط مستقیم اسلام
 کے مطابق نہ ہوگا تو جہنم و بائعانی گذرنا ویگانہ اور روز قیامت ہر ملکر دوزخ

میں گزریں گے۔ اور قرآن شریف کی اس آیت **وَلَا تَمُنُّوا بِالْمَدَائِنِ وَأَنْتُمْ رَاغِبُونَ** کہ پل صراط پر سے عبور کرنا اور گزرتا عام ہے۔ تمام مخلوق کو یہاں تک کہ انبیاء اور سرور انبیاء صلوٰۃ علیہم اجمعین سب پل صراط پر سے کہ دوزخ کی پشت پر ہے گزریں گے بعض عقلائی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پل صراط پر سے گزرنے میں یہ حکمت ہے کہ بعض گنہگار جو برہمنوں سے دوزخ میں گرفتار ہونگے آپکا جمال باکمال ان کے ایام فراق کی عکساری کا سبب ہوگا۔ اور ایک روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے عموم سے مخصوص ہیں آپ کھڑے ہوئے دیکھتے ہوئے سب آپ کے جاننے سے گزریں گے اور بیشک ایسا ہی لائق ہے اگر آپ آگ پر سے گزریں سب گلستان ہو جاوے جب مومن کے گزرنے سے آگ فریاد کرے گی اور کہے گی **جُزِئْنَا مَوْمِنٌ فَإِنَّ نُوْرًا لَّهُ أَطْفَاءٌ لَّهُبِي** اسے مومن جلدی میرے اوپر سے گزر جائیگا میرے ایمان کے نور نے میرا شعلہ بجھا دیا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ نور الانوار مومنین ہیں آپ کے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہے کہ پتھر کے آگے نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں کیا کام کیا اور کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا اور جب بے واسطہ خود نور الانوار موجود ہو تو کیا کچھ اثر ہوگا۔

وَالشَّفَاعَةُ حَقٌّ یعنی اللہ تعالیٰ سے گنہگاروں کی واسطے مغفرت چاہنا اور توبہ کی کلام اور اولیاء کا اور نیکوں اور علماء کا اور فرشتوں کا کہ انکو بارگاہ الہی میں عزت و آبرو اور عرض معروض کرینگی مجال حاصل ہے) حق ہے۔ اول درو ارہ شفاعت کا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بارگاہ الہی میں حضور کا کس قدر درجہ اور کتنی آبرو ہے اور معلوم ہو جاوے گا کہ یہ دن خاص آپ ہی کے واسطے ہے اور آپ کا مرتبہ آپ ہی کے واسطے ہی اگرچہ چاہے اللہ تعالیٰ اسے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے طفیل سے بارگاہ معاف کر دے۔ پتھر کے میدان میں تمام اہل عالم دوزخ کے خوف اور وحشت سے بے قرار اور حیران ہونگے تو اس حیرت اور بے قراری میں آندو کریں گے کہ کوئی ہمارا شفیع ہووے جو اس عذاب سے بچا دے اور ہمارے گناہوں کی واد کرے۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس آویں گے اور کہیں گے کہ آپ سب سے زیادہ نیک ہیں اللہ تعالیٰ نے آپکا پنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں سے آپ کو سزا دیا اور اللہ تعالیٰ نے

شفاعت حق ہے

یہ ہے کہ ہم کو سخت دن پیش آیا ہے ہماری شفاعت کیجئے آدم صلی اللہ علیہ وسلم کہ
 میں عظیم پرکھڑا ہونا اور دم مارنا میرا کام نہیں ہے اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا قصور کیا اور
 عزت منوع کو کہا لیا اس خسر مندی سے میں اس لائق نہیں رہا۔ شاید یہ کام نوح سے ہو جاوے
 اتن ہو جب فرماتے آدم علیہ السلام کے تمام نوح علیہ السلام کے پاس جاوینگے اور نوح علیہ السلام
 اسی طرح یعنی عذر پیش کر کے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجینگے ابراہیم علیہ السلام اسی طرح موسیٰ
 علیہ السلام کے پاس بھیجینگے موسیٰ علیہ السلام اسی طرح عذر کر کے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجینگے
 سب پیغمبر اولوالعزم علی بنینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے اپنے قصوروں کا اقرار کریں گے اور عذر پیش
 کر کے وہشت کے مارے اس مقام سے قدم آگے نہیں بڑھاوینگے آخر الامر حضرت خاتم المرسلین شفیع
 المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے کہ آپ کی شان میں یَغْفِرُ
 لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ واروہوا ہے (اور بخشدیئے اللہ نے سب گناہ
 تیرے پہلے اور پچھلے) اور حاضر ہو کر حال عرض کریں گے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت
 کھڑے ہو جاوینگے اور سراپردہ عزت و جلال میں حاضر ہونگے حضور کو مقام محمود عطا ہو گا کہ حضور
 کے سوا اور کسی کو نہیں ملیگا جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا
 قریب ہو کہ پہنچاویگا تجھ کو تیرا رب مقام محمود پر پس آپ اللہ کو سجدہ کریں گے حکم ہو گا اے حبیب اپنا
 سر سجدہ دینا اٹھا اور جو کچھ مانگتا ہے مانگ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سجدہ سے سر مبارک اٹھاوینگے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ان الفاظ سے کریں گے جو اللہ کریم ہی آپ کو
 سکھاویگا اور کچھ حصہ اپنی امت کے گنہگاروں کا بخشواینگے۔ اسکے بعد دوسرا سجدہ کریں گے اور
 حکم پر دروگار سر سجدہ سے اٹھا کر اسی طرح پروردگار کی حمد و ثنا کریں گے اور ایک اور حصہ اپنی امت کے
 گنہگاروں کا بخشواینگے۔ پھر تیسری دفعہ سجدہ کریں گے اور اسی طرح حکم پروردگار سر اٹھا کر خداوند کو

اللہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام درخت منوع سے کھا لیا قصور یاد کریں گے اور نوح علیہ السلام اس دُعا کو یاد کریں گے
 اے اللہ میرے واسطے جانے کو کی تھی اور محبوب ہونے تھے ابراہیم علیہ السلام اپنے تین دفعہ جھوٹ بولنے کو یاد کریں گے حالانکہ
 وہ سچے تھے اور ان میں تاویل تھی۔ موسیٰ علیہ السلام ایک قطعی کافر کو تھے سے مار ڈالنے کے قصور کو یاد کریں گے
 عیسیٰ علیہ السلام کہنے سے امت نے مجھ خدا کا بیٹا قرار دیا میں شرمندہ ہوں۔ بجز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 کسی نے عذر کر کے اس مقام محمود کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے کہ شفاعت
 کے واسطے ہوں اور کوئی نہیں کہوں سکا ۱۲۷

کی حدود بنا کر کے باقی امت بخشوائیگے۔ انہوں نے اور دنیا میں وہی ایمان باقی رہے اور انہوں نے
 قرآن شریف میں ہمیشہ ووزخ میں رہنے کا حکم ہے اور کلمہ شکر میں اور کالمیں ہیں انہوں نے
 اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک
 آپ ہی بخشوائیگے اور کسی کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی یا اوروں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 وسلم سے شفاعت کی حاجت ہوگی اور حضور بارگاہ الہی میں عرض کریں گے ایک اور حدیث میں آیا ہے
 کہ بعد شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی شخص ووزخ میں نہ رہے گا مگر وہ لوگ کہ بجز
 کلام اللہ کے ذرہ بہر بھی نیکی ان کے پاس نہ ہوگی سہرا یا گناہ ہونگے حضور صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم ان کے واسطے بھی شفاعت کرنے کا اذن چاہیں گے پروردگار فرماویگا اسے محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم یہ لوگ خاص ہمارے لئے ہیں انکی شفاعت ہم اپنے سے آپ کریں گے اور انکو ووزخ
 سے باہر نکالیں گے۔

حاصل کلام یہ شفاعت کا وہ اور شفاعت کا مقام اور یہ مرتبہ اور یہ کلام با ملک المعلام
 سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہی سے مخصوص ہے حضور ہی اللہ کے ہاں ہیں
 اور سب طفیلی ہیں جیسا کہ خداوند کریم فرماتا ہے **وَكَسَوْتُمْ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَنِّ صَنِي**
اَسْ مُحَمَّدَاَسْ مِيْرَسْ مَحْبَاَسْ مِيْرَسْ مَحْبُوْبَاَسْ مِيْرَسْ مَطْلُوْبَاَسْ مِيْرَسْ خَاَصْ مَبْدَهْ قَرِيْب
هْ اِيْسِيْ نَعْمَتْ اُوْر رَحْمَتْ مِيْرَسْ اُوْر شَاْر كُرُوْنْ كَا كَهْ تُوْخُوْشْ يُوْجَاوِيْگَا اُوْر كُوْنِيْ اَنْدُوْتِيْرَسْ وِل
مِيْنْ بَاَقِيْ نِيْسِيْ اَسْ مَحْمُوْدْ سَبْ مِيْرِيْ رَحْمَاَسْ كَهْ طَالِبْ هِيْنْ اُوْر مِيْنْ تِيْرِيْ رَحْمَاَسْ كَا طَالِبْ هُوْنْ رَحْمَتْ
بِنِيْ صَلِيْ اللّٰهْ عَلِيْهْ وَاٰلِھٖ وَسَلَّمَ عَرْضْ كَرِيْنِيْگے مِيْنْ ہر گز راضی نہیں ہونگا جب تک کہ میری امت کے تمام گنہگار
نہیں بخشے جاویں گے۔ کہتے ہیں یہ آیہ شریفہ لَا تَقْنَطُوْا مِيْنْ رَحْمَتِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الْمُنَافِقِيْنَ
جَمِيْعًا اللّٰهُ كِي رَحْمَتْ سَے نا امید نہ ہو بیشک اللہ تمہارے سب گناہ بخشے گا اسی امت کے

سے یقیناً شفاعت حصہ خاص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کتب علم کلام اور احادیث میں جہاں شفاعت
 کا ذکر وہاں شفاعت کے اقسام شفاعت بالاذن اور شفاعت بالوجاہتہ اور شفاعت بالمجوبیہ نظر سے نہیں گذرے
 اس وقت کے بعض علماء معلوم نہیں کہاں سے قسم اول شفاعت کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ثابت کرنے
 میں باقی دو قسموں کی نفی کرتے ہیں یہ تقسیم اور نفی جمہور کے خلاف ہی جس قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے وہ سب شفاعت
 حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ثابت ہی ہمارا اپنے خیال میں شفاعت اقسام بتانا ہے بعض اقسام میں انکے کمال

اسے مخصوص ہے۔ نوح علیہ السلام کی امت کے واسطے حکم ہوا یَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ
 یعنی اللہ بخشنے گا واسطے تمہارے تمہارے گناہوں میں سے علم نوح کے قاعدہ کے موافق لفظ میں
 کافائدہ دیتا ہے یعنی بعض گناہ معاف کئے جاؤ گے۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کے
 ساتھ عدل ہے اسقدر امیدواری اور بشارت گنہگاروں کو کافی ہے اُمَّةٌ مِّنْ رَّبِّهِ
 وَرَبُّ غَفُورٌ اُمّت گنہگار ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے جب یہاں عزیز ہوتا ہے طفیلی بھی عزیز
 ہوتے ہیں۔ بیت۔ نوید نباشی گرت آں یار براندہ۔ امروز براندہ کہ فردات نخواندہ۔ اگر وہ
 تجھے نکال دے نوید نہ ہو آج نکالتا ہے مگر کل بلائیگا یعنی بخشدیگا۔ اسے مخاطب حضرت نبی صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کی امت بنجا پھر سب کام آسان ہیں مشکل اسی وقت تک ہے کہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا تعلق پورا نہیں کیا اگر تعلق سچا ہے تو پھر کچھ مشکل نہیں حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد لاکھ گناہ ایک گناہ کے پٹھے کے برابر بھی نہیں اگر ایمان کے
 نور کا چراغ بندہ کے دل میں روشن ہے گناہوں کے اندھیرے کو وہاں کیا دخل ہے ایمان
 کا عم کہا جاتا ہے یعنی ایمان درست کرنا چاہیے پھر کچھ فکر نہیں ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ
 علیہ کو دیکھا کہ تمام رات روتے رہے لوگوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں آپ خوش رہیں کہ گناہوں
 کا بوجھ آپ کے اوپر نہیں ہے حضرت مدوح نے جواب دیا گناہ اگر پہاڑ کے برابر ہوں پروردگار
 کی رحمت کے مقابلہ میں گناہ کے تنکے کے برابر نہیں۔ رونا تو واسطے ہی کہ ایمان دنیا سے سلا
 جاتا ہے یا نہیں۔ بیت۔ ایمان چو سلامت بلب گور برم۔ اُحْسَنْتَ بَرِيں چستی و چالاکی ماہ۔ یعنی
 اگر قبر تک ہم ایمان سلامت ہمراہ لیجاویں ہماری اس چستی اور چالاکی پر ہزار آفریں ہے۔
 اب جو بات شفاعت کے باب میں باقی رہی ہے اسکو ہم تمام کئے دیتے ہیں۔ جاننا چاہیے
 کہ شفاعت کئی مقام پر ہوگی۔ اول موقع میں یعنی مشر میں اس مقام پر سخت ہیبت اور وہشت
 ہوگی۔ کہڑے کہڑے سخت اذیت اور شدت اٹھاؤ گے یہاں ان شدتوں کی تخفیف کیواسطے
 حمت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت کہ سوال اور حساب میں آسانی
 ہوتی ہے۔ تیسرے سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔ چوتھے سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔
 پانچویں سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔ چھٹے سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔
 ساتویں سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔ آٹھویں سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔
 نواں سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔ دسویں سوال اور حساب میں آسانی ہوتی ہے۔

وقت شفاعت ہوگی کہ قصور معاف فرمایا جاوے اور عذاب نہ ہو۔ چوتھے درکات دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کہ گنہگاروں کے قصور معاف ہوں اور دوزخ سے نکالے جاویں۔ پانچویں جنت میں درجے بلند ہونے اور ثواب زیادہ ملنے کے باب میں شفاعت ہوگی جیسے کسی گنہگار کو باوجود گناہ کے رو بہ کھڑا کریں اور وہ سخت دہشت میں ہو کوئی مقرب درگاہ اسکی سفارش کرے کہ اسکو شہا کر نرمی سے پوچھو پھر حساب لیتے وقت کوئی شفاعت کرے اور حکم ہو چھوڑ دو حساب نہ لویا تھوڑا سا حساب نرمی سے لیلو پھر ثبوت جرم کے بعد قید کا حکم ہو اور شفاعت سے معاف ہو جاوے قصور بخشا جاوے قید خانہ سے نکالا جاوے۔ اور بعد نکالنے کے کوئی شفاعت کرے اور منصب عالی عطا کیا جاوے۔

پس سرگنہگار عاجز کو امید رکھنی چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب مواقع اور مقامات پر شفاعت فرمائیں گے اور دوزخ سے نکال کر جنت کے اعلیٰ درجات میں پہنچائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ نصیب بہت بہت لے خدا شناس بروہ کہ مستحق کرامت گناہ گار ان اند اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت عام بھی ہوگی تمام امت بلکہ تمام خلایق کے واسطے اور خاص بھی ہوگی۔ مثلاً مدینہ منورہ زاد ہا اللہ شرفا کے رہنے والوں کے واسطے اور روضہ شریفہ کی زیارت کرنے والوں کے واسطے اور آپ پر کثرت سے دو شریف پڑھنے والوں کے واسطے۔ محققین نے کہا ہے کہ شفاعت دراصل انوار رحمت الہی کا عکس ہے کہ وہ انوار بارگاہ رب العزت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب شریف پر نازل ہوتے ہیں اور حضور کے قلب شریف سے اُن انوار کا عکس اُن دلوں پر پڑتا ہے جو حضور کے قلب شریف کے مقابل اور محاذی ہیں مثلاً آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اسکا عکس اُس دیوار پر پڑتا ہے جو پانی کی سطح کے مقابل ہو اور یہ شرف مقابل اور محاذات حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دل توجہ کرنے اور حضور کے اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ زیادہ قوی سبب حصول اس عکس کا اتباع سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے جسقدر متابعت قوی ہوگی زیادہ عکس پڑے گا مگر درجات ملنے کی شفاعت کے متعلق ہے۔

اور گناہوں کی بخشش کے مقام پر شفاعت ہونے کے واسطے اصل ایمان کافی ہے۔
 یا وہ موثر اس باب میں کثرت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وود شریف کلمات
 ون ظاہر اور باطن میں پڑھنا ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا وَنَهَارًا اَظْهَرًا
 وَبَاطِنًا كَلِمَاتُ ذِكْرِهِ الْاَكْرَوْنَ وَعَقْلٌ عَنِ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ
 وَاجْتَنُّ حَقُّ وَالنَّاسُ حَقُّ بہشت اور دوزخ جس طرح اور جس صفت سے

کہ انکابیان قرآن اور حدیث میں ہے وہ حق ہے۔ جنت اور دوزخ کے مکان میں اختلاف ہے
 بعض کہتے ہیں کہ جنت پہلے آسمان پر ہی بعض چوتھے پر بتاتے ہیں بعض ساتویں پر۔ دوزخ کو
 بعض زمین کے نیچے کہتے ہیں بعض آسمان کے اوپر۔ اور ایک جماعت کو دونوں میں توقف ہے
 کہتے ہیں کہ دونوں کے مکان الودہی خوب جانتا ہے۔ اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ جنت و دوزخ
 دونوں کے مکان معین ہونے میں کوئی نص صریح نہیں ہے لیکن اکثر علماء کا مذہب یہ ہے
 کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے لیکن یہ
 مشکل ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ حَتَّى

یعنی وہ جنت ایسی ہے کہ اسکا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ پس جبکہ اتنا بڑا ایک حقیقی
 کا مکان ہو یا ایک جنت کا ہو تو اسکا وجود آسمان زمین میں سے ایک معین مکان میں کیونکر ساکت
 ہے اسکا جواب تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ جنت کا عرض جب آسمان و زمین کے برابر ہو کہ زمین
 و آسمان آپس میں ملے ہوئے ہوں اور ایک دوسرے کے متصل ہوں۔ سب کو حیات سے
 بہتر توجیہ یہ ہے کہ آدمیوں کے نزدیک کوئی چیز آسمان و زمین سے زیادہ وسیع نہیں ہے اور اس
 تمثیل سے جنت کی وسعت کا مبالغہ منظور ہے اسکی حدود کا بیان مقصود نہیں ہے اور حقیقت
 میں جنت کی وسعت الودہ کریم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ چھوٹا سا گھر بہشت کا تمام دنیا کے برابر اور
 اُس سے وس گنا ہو گا والودہ اعلم۔

اور اعراف اُس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہو گا نہ اس میں جنت
 کی سی راحت اور عیش ہوگی نہ دوزخ کی سی مصیبت اور محنت ہوگی مگر اسکا وجود نقل صحیح اور
 نص قطعی سے ثابت نہیں ہوا بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بچوں اور ان

لوگوں کے واسطے پیدا کیا ہے جو زمانہ فترت میں ہوئے ہیں یعنی جن پر دنیا میں وحی نہیں بھیجی۔
 امام سبکی نے کہا ہے کہ اعراف کا قول حدیث شریف میں کہیں نہیں آیا اور نہ علماء میں سے کوئی
 اس طرف گیا ہے انتہی اور قرآن شریف میں جو آیا ہے رَوَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ
 يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ اور اعراف پر مرد ہونگے کہ ہر ایک کو جنتیوں اور دوزخیوں
 میں سے انکے قیافہ سے پہچانیں گے) اس سے اُن پر دوں اور دیواروں کی بلندیاں مراد
 ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہیں اور رجال سے یہاں پشمیر اور شہد اور نیک مومن
 اور علماء یا فرشتے مراد ہیں کہ اہل بہشت و دوزخ کو انکی پیشانی کے نشان سے پہچانیں گے اور
 خطاب کریں گے۔

وَمَا خَلَقْنَا مَوْجُودَاتِنِ دوزخ اور جنت پیدا ہو چکے اور اب موجود

ہیں نہ یہ کہ قیامت کے دن پیدا ہونگے آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا قصہ دلیل کافی ہے۔
 بَاقِيَتَانِ وَلَا يَفْنَيَانِ وَلَا يَفْنَىٰ أَهْلُ مَا بہشت اور دوزخ اور بہشتی اور
 دوزخی ہمیشہ باقی رہیں گے کبھی فنا نہیں ہونگے۔ جب سب ایک بار مر گئے پھر زندہ ہو گئے
 اسکے بعد اب تک زندہ رہیں گے۔ کسی کو وہاں موت نہیں ہوگی اس واسطے فرمایا وَخَلَقْنَاكُمْ لِلْآبِدِ
 میں نے تم کو ہمیشہ کے واسطے پیدا کیا ہے۔

وَكُلُّ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَشْرَاطِ
 السَّاعَةِ وَأَحْوَالِ الْآخِرَةِ حَقٌّ جو خبریں کہ مخبر صادق حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق فرمائی ہیں جیسے سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا کہ
 وہ دن توبہ کے دروازہ کے بند ہونیکا ہے اور دُجَال اور دَابَّةُ الْأَرْضِ کا نکلنا اور عیسیٰ علیہ السلام
 کا آسمان پر سے اترنا اور صور کا پھونکنا اور سوا اسکے تمام حالات قیامت کے قائم ہونے سے

تمام اہل سنت جماعت کا یہ عقیدہ کتب علم کلام میں لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف
 لاؤنگے اور وہاں کو قتل کریں گے اور ایسا ہی احادیث سے ثابت ہے برخلاف اسکے اس جو دو ہویں صدی میں ایک فرقہ
 مرزا قادیانی کا پیرو پنجا ب میں پیدا ہوا اور اس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نہیں آؤنگے وہ فوت ہو چکا
 بلکہ اُن کا مشیل مرزا غلام احمد آیا ہے علماء نے صد ہا کتابیں اُن کے رویں لکھیں اور اس جھوٹے دعویٰ کو خوب روکنا
 اب کئی سال ہوئے خود مرزا غلام احمد ہی مر گیا اور ثابت ہو گیا کہ قیامت سے پہلے حسب ارشاد مخبر صادق صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نبوت خود عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور

جنت اور دوزخ اور قیامت کے متعلق فرمایا اور وہ سب ثابت ہوئے

عقوبت سے جو قیامت کے متعلق فرمایا اور وہ سب ثابت ہوئے

جنت میں داخل ہونے تک بلکہ ہر خبر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور حکم شریعت کا جو حضور نے فرمایا سب حق ہے یہ بطور اجمال بیان کیا گیا۔ مفصل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے
وَالْإِيمَانُ تَصَدِيقٌ بِالْقَلْبِ وَقَرَارٌ بِاللِّسَانِ ایمان دل سے یقین کرنا
 کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور اسکے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور زبان سے بھی
 ان دونوں باتوں کا اقرار کرنا دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے اور زبان سے گواہی دینا
 اسکی نشانی اور علامت ہے اسواسطے کہ زبان دل کی ترجمان ہے بغیر زبان پر لائے دل کا حال
 معلوم نہیں ہوتا احکام ظاہری کا جاری ہونا اسی پر موقوف ہے۔ اگر کوئی گونگا ہو یا کوئی شخص
 کسی سے زبردستی کفر کا کلمہ کہلوائے اور دل میں اسکے ایمان ہو یا کوئی دل سے یقین کر لینے کے
 بعد مر جاوے اور زبان سے اقرار کرنے کی فرصت نہ پاوے ان صورتوں میں زبانی اقرار شرط
 نہیں اور اہل حدیث کہتے ہیں **اَلْاِيْمَانُ تَصَدِيقٌ بِالْقَلْبِ وَقَرَارٌ بِاللِّسَانِ**
وَعَمَلٌ بِالْاَزْكَانِ ایمان دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا اور اَزْكَانِ یعنی ہاتھ پاؤں
 سے عمل کرنا ان تینوں کا نام ایمان ہے۔

اور حقیقت دونوں میں کچھ فرق نہیں ایمان کامل وہی ہے جو محدثین کا مذہب ہے کیونکہ
 ایمان بغیر عمل کے ناقص ہے لیکن ایمان اہل اولیٰ اور جز تصدیق ہی ہے جیسا کہ علم کلام والے حنفیہ
 کہتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ ایمان ایک درخت کی مانند ہے اسکی جز تصدیق ہے اور اعمال جو
 ثمرہ اور نتیجہ تصدیق کے ہیں وہ مثل ٹہنیوں اور پتوں اور پہلووں اور پہلوں کے ہیں۔ اگرچہ
 بغیر پھل واپلے درخت کو بھی درخت کہتے ہیں لیکن کام کا درخت وہی ہے جس میں پھل ہوں اسبطح
 ایمان کامل وہی ہے جسکے ساتھ اچھے عمل ہوں اور بے عمل کے ناقص ہے نام اسکا بھی ایمان
 ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اکثر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو
 لایا ہے جیسا کہ فرمایا **لَا النَّيْمُ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** بیشک جو لوگ ایمان لائے

۱۔ پنجاب ہی میں ایک اور جدید باطل فرقہ پیدا ہوا اس نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعی انکار
 دیا اپنا نام فرقہ قرآنیہ رکھا انکا مذہب باطل یہ ہے کہ جو مسئلہ قرآن سے ثابت ہو وہ درست ہے اور جو حدیث سے ثابت
 ہو وہ غلط ہے حالانکہ خود خداوند کریم نے قرآن شریف میں فرمایا اور بتلادیا **مَا اَنَا كَرُ الْمُرْسُوْلِ فَنَحْنُ وَهٗ وَهٗ اَكْرَمُ**
 میں تم سے اہم جو حکم مکتور رسول دے اسپر عمل کرو اور جس سے روکے اسکو نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ انکو ہدایت دے ۱۶۔

اور اچھے عمل کئے۔ اس آیت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے اور عمل صالح اس سے جدا کرنا اسکو کامل کرنے والے ہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو کہیں کہ فلاں یہ چیز بھی رکھتا ہے اور وہ چیز بھی رکھتا ہے اس سے یہی سمجھا جاوے گا کہ وہ شخص دونوں چیزیں رکھتا ہے مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دونوں کو ایک کہنا درست نہ ہو اور دونوں کو ایک کہے وہ غلطی کی طرف نسوب کیا جاوے۔

اور یہ بات بھی معلوم کرتی چاہیے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف سچے بنی جاننے کا نام ایمان نہیں ہے۔ جب تک کہ دل میں اسکی تصدیق نہ ہو کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور شے ہے۔ تصدیق عبارت ہے اذعان اور قبول کر لینے سے اسکو فارسی میں گرویدن کہتے ہیں اور یہ درحقیقت دل رنگ قبول سے رنگا جانا اور نور یقین سے دل کا منور ہو جانا ہے۔ اور علم صرف جاننے کا نام ہے۔ تمام کنار عرب علی الخصوص ماہل یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا بنی جاننے تھے اور یہ علم ان کا ایسا تھا جیسا اپنے فرزند کا انسان کو علم ہو کہ اس کے سامنے پیدا ہوا ہو چنانچہ خداؤ کریم فرماتا ہے **يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ** وہ بنی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو۔

پہنچنے آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبریں اور آپکی صورت و سیرت اور صفاتیں اور نام و نشان اور پیدا ہونیکا مقام سب یہودیوں کی کتابوں میں لکھا تھا اور ان کی زبانوں پر جاری تھا۔ بہت یہود موتی علیہ السلام کے وقت سے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آپ پر ایمان لانے کی نیت سے مدینہ میں آکر رہے اور ساری عمر اسی شوق میں گذاری اور مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اگر تم زمانہ نبی آخر الزمان کا پاؤ تو آپ کی خدمت میں ہمارا سلا پہنچانا اور ہمارے ایمان لانے کا پیغام عرض کرنا اور حقیقت اس باب میں یہود سے زیادہ کسی کو علم نہ تھا مگر جب آفتاب نبوت نے طلوع کیا یہودکی شقاوت ازلی سامنے آگئی ان کی عقل کی آنکھوں پر خاشاکی کا پردہ پڑ گیا اور حسد و عناد اور غرور پیدا ہو گیا۔ کفر و انکار کے گڑبے میں جا پڑے اور نجات کے راستے سے محروم رہے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم اور عقل اللہ کریم کی عنایت اور ہدایت کے بغیر کچھ کام نہیں آتی اور کچھ نہیں رکھتی **وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا** یعنی انکار کیا اسکا بوجہ ظلم و

کبر کے اور یقین کر چکے تھے ان کے دل۔ فَتَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْتَشِعُ
 ہم بناہ مانگتے ہیں ساتھ اللہ کے اُس علم سے جو نفع نہ دے اور اُس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔ علی
 کہ راہ بحق نمایاں جہالت است۔ جو علم کہ سچا راستہ نہ بتا دے چل ہے۔

وَهُوَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ اور ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔

جب ثابت ہوا کہ ایمان عبارت ہے تصدیق قلبی سے اور وہ ایک ہے لہذا ایمان زیادہ اور کم نہیں
 ہو گا اس واسطے کہ زیادہ ہونا اور کم ہونا تعداد اور گنتی میں ہوتا ہے۔ اگر تصدیق کے ساتھ اعمال صالحہ
 بھی ایمان میں داخل کئے جاویں تو بسبب زیادتی اور کمی اعمال کے ایمان بھی کم اور زیادہ ہو گا لیکن
 جب ایمان کے معنی تصدیق قلبی کے ہیں اور اعمال اس میں داخل نہیں تو امام اعظم ابو حنیفہ رض
 کا یہ قول کہ الْاِيْمَانُ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ یعنی ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا ہے شبہ اور غیر
 کسی اشکال کے درست اور ثابت ہوا اور حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل
 نہیں اور یہی اہل سنت جماعت کا مذہب ہے و بالسد التوفيق۔

وَ الْاِيْمَانُ وَالْاِسْلَامُ وَاحِدٌ ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں لیکن اکثر اطلاق
 ایمان کا تصدیق دل اور حال باطن پر ہوتا ہے اور اسلام کا اطلاق خشوع اور انقیاد ظاہری پر ہوتا
 ہے جیسا کہ اس آیت شریفہ میں ہے۔ قَالَتِ الْاَوْحَاۗءُ اَبۡ اَمۡنًا قُلۡ لَّمۡ نَجۡمِنۡوۡا وَاٰلِکَۡرۡ قَوۡلُوۡا اَسۡکَمۡنَا
 اعرابوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں۔ اے محمد تم ان سے کہو تم ایمان تو نہیں لائے یعنی دل سے
 تصدیق نہیں کی۔ لیکن یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں یعنی ظاہر کے فرما بیروار ہیں۔ مقصود اس جگہ یہ ہے کہ
 جو مومن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مومن ہے۔ بیچ میں مغایرت نہیں۔

وَلَا يَبۡغِيۡ اِحۡدٍ اَنْ يَقُوۡلَ اَنَا مُؤۡمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ اور نہیں مناسب کسی کے واسطے یہ جملہ
 کہنا میں مومن ہوں انشاء اللہ علماء میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنا درست ہے اور بعض
 کے نزدیک درست نہیں۔ حنفی ناجائز بتلاتے ہیں اور شافعی جائز کہتے ہیں اور فی الواقع کچھ اختلاف نہیں۔ اگر اس
 جملہ شرطیہ انشاء اللہ سے مقصود ترود اور شک ہو تو جیسا کہ علماء حنفیہ کہتے ہیں اسکا کہنا جائز نہیں۔ اور اگر اسکا نام
 تسمیہ اور تکرار لیا ہو تو درست ہے کہ مقصود عجب غرور کا دور کرنا ہو اور نفس کا درست بنانا ہو۔ یا مثلاً انجام کا ترود ہو کہ
 ایسا اس ایمان کا نہیں ہوتا ہے بلکہ نسبت فرمایا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوۡنَ حَقًّا وہ لوگ سچے مومن ہیں

ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا

ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں

ایمان کا نام نہیں

غرض بعض وجہ سے کلمہ انشاء اللہ کہنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کہے کہ ظاہر میں بھی ترو و اور شک کا کلمہ زبان پر نہ آوے۔

وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ قَوْلًا مَعْرُوفًا وَمَعْرُوفًا
 کے ہیں مگر یہاں سکرات موت سے مراد ہے کہ اس وقت آخرت کے حالات معلوم ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر شخص موت کے وقت اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔ مومن بہشت میں اور کافر و زنج میں۔ پس اگر اس حالت میں کوئی کافر ایمان لاوے تو مقبول نہیں کیونکہ ایمان غیب پر لانا چاہیے بندہ اپنے اختیار اور قصد سے اللہ کے حکم کی فرماں برداری اور اطاعت کرتا ہے اور حالت سکرات میں غیب کی حالت نہیں رہی۔ اس وقت بندہ بلا قصد اضطرار سے ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام کافر پکاریں گے۔ رَبَّنَا ابْصُرْنَا وَسَمِعْنَا فَأَرْجِعْنَا فَعَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ
 اے رب ہماری آنکھیں مینا ہو گئیں اور کان سننے والے ہو گئے اور ہم نے یقیناً جان لیا کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دی تھیں اور تیری کتابوں میں لکھا تھا سب سچ ہے ہم کو دنیا میں بھیج دے کہ ایمان لاویں اور اچھے کام کریں۔ اور ثواب کے مستحق بنیں) یہ ایمان اور حق کا اقرار اس وقت اُن کو کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

تمام اہل حق کو اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ایمان باس مقبول نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے
 إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يَغْرُغْ غُرًّا يَعْنِي اللَّهُ تَعَالَى بِنَدَاهِ كِي تَوْبَةٍ يَقْبَلُ كَمَا تَوْبَةٍ
 غرغہ کی نوبت نہ پہنچے۔ غرغہ موت کی حالت اور سکرات کی شدت اور روح کے طقوم میں پہنچنے سے مراد ہے اور قرآن شریف میں ہے۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ حَتَّىٰ يَأْتَهُمُ الْمَوْتُ وَأَبَاسًا
 عذاب الہی دیکھنے کے وقت ایمان لانا فائدہ نہیں کرتا۔ دوسری فرمایا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ بِاللَّذِينَ يَعْملُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآلَانَ
 اور نہیں قبول ہوتی تو یہ اُن لوگوں کی جو گناہ کرتے ہیں برابر یہاں تک کہ جب موت آمو جو ہوئی کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اس آیت کے ساتھ استدلال صحیح ہے کیونکہ پہلی آیت میں یہ احتمال ہے کہ رویت باس سے قیامت کی نشانیوں کا دیکھنا مراد ہو۔ جیسے مغرب سے آفتاب کانگنا۔ بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں

باس کا ایمان غیر مقبول ہے

الکتاب ہے کہ یہ بھی آیت صراحتاً پکارتی ہے کہ مرتے وقت کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں ہے اور اپنی
 وائل سے یہ معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ بھی حالت باس اور غرہ کے وقت قبول نہیں جس طرح
 کہ ایمان لاتا ایسی حالت میں قبول نہیں یہی مذہب اکثر اشاعرہ اور فقہاء کا ہے اور اکثر علماء
 کے نزدیک باس کے وقت توبہ گناہوں سے قبول ہو جاتی ہے لیکن باس کے وقت بالاتفاق
 والاجماع ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یہاں سے لازم آیا کہ باجماع امت فرعون کا ایمان کہ غرق
 ہونے کے وقت لایا تھا قبول نہیں ہوا کیونکہ فرق کا وقت باس کا وقت اور حیات سے
 ناامیدی کا وقت تھا اضطرابی کا زمانہ تھا اختیار کا نہیں تھا اس امت کے تمام علماء اور
 مجتہدین اور پیشواؤں کا عقیدہ یہی ہے کہ فرعون حالت کفر میں کا فر مر اسوائے شرع شریف
 میں ہر جگہ اسکی مذمت آئی ہے اور اس کا کفر اور غرور قرآن شریف کی آیتوں سے ظاہر ہے۔

اسکے جہنمی ہونے پر نص صریح دلالت کرتی ہے جیسا کہ فرمایا فَآخَذَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِصَةِ
 وَالْأُولَىٰ یعنی پکڑا اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں دوسری جگہ فرمایا
 يَقْدَمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْدَدَهُمُ النَّارُ یعنی قیامت کے دن فرعون اپنی قوم کا پیشوا
 ہو گا پس پہنچا ویگا انکو آگ میں اور ان کا پیشوا دوسرا دوزخ کے اندر ہو گا حدیث شریف میں
 وارد ہے کہ امر القیس دوزخ میں اور شعرا زمانہ جاہلیت کا پیشوا سوگا۔ الفاظ حدیث شریف کے

یہ ہیں یقدم الشعراء الى النار اور جگہ فرمایا وَاسْتَكْبَنَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
 وَظَنُوا أَنَّهُمُ الْبَائِنَاتُ جَعُونَ یعنی تکبر کیا فرعون اور اسکے لشکر نے زمین میں

حق کے خلاف اور گمان کیا اس نے اور اسکے لشکر نے کہ ہماری طرف نہیں رجوع کریں گے اور ہماری
 بارگاہ تہاری میں حاضر نہیں ہوں گے جیسا کہ اور کافر گمان کرتے ہیں فَآخَذْنَا هُوَ وَجُنُودَهُ

فَبَدَّلْنَا هُمُومًا فِي الْيَمِّ پس اپنے قہر اور عذاب میں ہم نے اسکو اور اسکے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے

ان سب کو دریا میں ڈال دیا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ پس دیکھ کہ انجام ظالموں
 اور تکبروں اور کافروں کا کہ انہوں نے خدا اور اسکے رسول کے ساتھ تکبر کیا تھا دنیا اور آخرت

میں اسکی سزا پائی رسوا ہوئے) کیا ہوا وَجَعَلْنَا هُمُومًا يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ
 کیا ہم نے ان کو یعنی فرعون اور اسکے لشکر کو امام اور پیشوا ووزیبوں کا کہ دوزخ کی طرف انکو

بلا تے ہونگے وَیَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْصُرُونَ اور وہ قیامت کے دن خود نہیں ویسے ہوں گے
 بلکہ مطرود اور مردود ہونگے وَاتَّبَعْنَا لَهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ
 مِنَ الْمَقْبُوحِينَ اور ہم نے مقرر کی ان کے واسطے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن
 وہ اور اسکا لشکر سوا ہوگا۔

حال فرعون کا قرآن شریف سے معلوم ہوا اگر وہ مسلمان ہو کر اور پاک ہو کر دنیا سے جاتا ہرگز
 ایسے وصفوں کے ساتھ اسکو یاد نہ کرتے اگر اسکے اسراف اور تکبر و ظلم کو اسکی حیات اور دنیا کے حالات
 پر عمل کریں تو اسکا کیا جواب کہ وَیَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ یعنی فرعون اور اسکا
 لشکر قیامت کے دن رسوا ہونگے۔ جو شخص ان آیات کے سیاق پر نظر ڈالے وہ یقین کر لیا کہ اسجگہ
 ضمیموں اور کنایات فرعون کے لشکر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ فرعون اور لشکر دونوں کی طرف
 پھرتی ہیں غرض ہرگز عقل میں نہیں آتا کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچا مومن ہو کہیں اسکی تعریف
 مذکور نہیں اور نہ کہیں اسکے خاتمہ کے اچھے ہونے کا ذکر ہے کہ ہمارا اقلان بندہ تمام عمر کفر و عصیان
 میں مبتلا رہا آخر ہمارے فضل و رحمت نے اسکی دستگیری کی بلکہ سب جگہ اسکی خدمت اور اسپر ملامت
 کہیں اسکے ایمان یا اسلام کا ذکر تک نہیں مگر اسی آیت میں حتیٰ اذ اذراکہ الغرق قال

أَمِنَّا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ
 (ترجمہ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا کہا ایمان لایا میں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے
 جسپر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں ہی میں سے ہوں)

اس آیت کے سیاق اور سباق سے سوائے اسکے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ظالم
 تمام عمر تکبر و غرور اور اسراف میں غرق رہا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اسکے واسطے اولاً
 شکر کے واسطے عذاب کی درخواست کی آخر وقت جب زندگی سے نا امید ہوا اور عذاب الہی
 کو دیکھ چکا اسوقت زبان پر اسلام کا کلمہ جاری کیا حکم ہوا کہ اسوقت ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا
 کہ اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی وہ تیرا کفر و فساد کہاں گیا آج ہم تجھکو دنیا میں رسوا کرینگے
 اور تیری نعش کو دریا سے نکال کر عالم کا تاشا گاہ بناینگے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کر کفر اور غرور
 و سرکشی خدا اور رسول کے ساتھ کرنے کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی ہو جائے

لَا خَافَةَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ

یہ کلمہ اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں بیشک اس میں عبرت ہے اُس کے واسطے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے۔ اور یہ خیال رکھو فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے موئے

علیہ السلام کی نسبت فرعون سے کہا تھا قَدْ عَيْنِي لِي وَكَأَلَّا تَقْتُلُونَا بِحَبِيْبِي مِيرے اور تیرے واسطے آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا اسکو قتل نہ کرو حضرت آسیہ کا محض خیال اور گمان ہے

حکمت الہی اس میں یہ تھی کہ موئے علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاص پاویں ہلاک نہ ہوں کیونکہ اور بچوں ذکور کو فرعون زندہ نہیں چھوڑتا تھا گویا حضرت آسیہ نے یہ جیلہ انکے بچانے کا کیا تھا۔

حضرت آسیہ کو فراست یا الہام سے موسیٰ علیہ السلام کا نبی مرسل ہونا معلوم ہو گیا تھا اور اس

آیہ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا یعنی اٹھا لیا موسیٰ علیہ السلام کو

پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے تاکہ انکا دشمن اور باعث رنج و خرابی ہو میں بظاہر وہ عداوت

مراد ہے جو نفس الامر میں ہو اگر فرعون مسلمان ہو کر مرتا تو یہ عداوت دائمی کیوں ہوتی۔ قرآن شریف

کے علاوہ فرعون کی مذمت احادیث اجماع امت یعنی صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور علماء

مجتہدین و مشائخ متقدمین و متاخرین رحمہم اللہ سے بکثرت ثابت ہے اگر اسکا خاتمہ نجیر ہوتا تو اسکا کفر اور

ظنیان ضرب المثل نہ ہوتا روایت ہے کہ جب غزوہ بدر میں ابو جہل لعین مارا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ هَدِيَّةً اَلَا فَمَا اس است کا فرعون وقت مر گیا اگر فرعون پاک ہوتا

تو اسکے ساتھ ابو جہل قطعی دوزخی کی تشبیہ کیونکر درست ہوتی۔ اور اگر یہ خیال گذرے کہ یہ تشبیہ

اُس کفر و تکبر کے سبب ہے جو حالت حیات میں رکھتا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ کہیں شریعت میں نہیں

آیا کہ بعد توبہ کرنے اور اسلام لانے کے کسی کو اسکے پہلے کفر و گنہگاری کے اعتبار سے کفر و عسیان

میں مشابہ بناویں اسلئے کہ اسلام اپنے ماقبل کے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے بہت سے عیس

قریش کہ مدۃ العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں رہے اور کفر و سرکشی کرتے رہے

آخر ایمان لائے اور دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے شرع شریف میں انکے پہلے حال کے متعلق ہر

حدیث جو کہیں بیان نہیں ہوئی۔

خاص کر قرآن مجید میں فرعون کے متعلق کثرت سے مذمت اور تشنیع کی گئی ہے۔ مشائخ میں سے

بھی کسی نے اسکو مومن مسلمان نہیں بتلایا صرف شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب
فصوص الحکم میں مومن قرار دیا ہے یہ خیال انکا اگر ایمان باس کے قبول ہونے کے متعلق ہے تو
یہ امر اجماع کے خلاف ہے یا اس خیال سے ایسا فرمایا کہ فرعون کی حالت باس نہ تھی مگر یہ بھی
صحیح نہیں اسواسطے کہ اور اک غرق دریا کی حالت باس اور موت کے پہنچنے کی ہے اور جب اجماع
سے فرعون کا کفر ثابت ہوا حالت باس کی نفی کرنا اثبات ایمان کے واسطے بیکار ہے۔ خود شیخ محی الدین
بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں فرعون کی مذمت اور سختی کا فر ہونا بیان کیا ہے فرماتے
ہیں دو ذبح میں مراتب اور درجات ہیں بعض ان میں بہ نسبت بعض کے سخت ہیں ایک در کہ کشتوں
اور مغروروں کے واسطے ہے جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں۔

لیکن فصوص میں اس کے خلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فصوص میں آیت قرآنی حَتَّىٰ

لَا اِذَا ذُكِرَ الْغُرَقُ قَالَ اٰمَنْتَ اِلٰہِ كُوْتَمَل بتلایا ہے اور تحقیق مذہب اور شیخ کا معتقد علیہ وہی ہے
جو فتوحات میں ہے والہ اعلم۔

اور اگر حضرت محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرعون کا ایمان صحیح ہے دوسرے
اہل علم باوجود مخالفت اجماع تمام امت کے کس طرح اسکو ایمان والا خیال کر سکتے ہیں اجماع دلیل
قطعی ہے دلائل شرعیہ میں سے۔ طبیعت کو حیرت پیدا ہوتی ہے کیا کیا جاوے یہی ہو سکتا ہے کہ
تغافل اور اغماض کر کے تکلف کے ساتھ حضرت شیخ کے قول کو اجماع کے ساتھ مطابق کیا جائے
اور یہ نہیں ہو سکتا کہ باوجود مخالفت تمام امت دین جو شیخ نے سب کے مخالف کہا اسپر اعتقاد رکھیں اور
بعض اس زمانہ کے نادانوں کی طرح دین اسلام کے پیشوایوں کے خلاف ہو کر فرعون کو مومن
مان لیں تعوذ باللہ من الخلل والزلزل آخر انبیاء کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے اگر کسی سے اجتہاد
میں خطا ہو جاوے تو کیا نقصان ہے۔ مذہبوں کے امام دین کے پیشوا جنکا تمام عالم اتباع کرتا ہے
ان سے مسائل و نییہ میں کئی جگہ خطا اجتہادی ہو گئی ہے اگر حضرت شیخ سے ایک مسئلہ میں
خطا ہو گئی تو کیا تعجب ہے۔ حیرت اس بات میں ہے کہ باوجود اجماع امت کے برخلاف ہونے کے
ایک ذات پر کس طرح ایک مسئلہ میں یقین کر لیا جاوے اگر یہ عقیدہ ہے کہ تمام امت میں سے
حق ایک ہی ذات میں وقف ہو چکا تو اسپر دلیل کیا ہے اور اگر محض تقلید و اتباع ہے تو ایسے امور

میں سلف اور مجتہدین کا اتباع بہتر اور احتیاط سے نزدیکتر ہے۔
 اور اگر یہ کہیں کہ حضرت شیخ صاحب کشف و یقین ہیں حقائق و دقائق و معارف ایسے ان سے
 سرزد ہوئے ہیں مسئلہ شرعی میں غلطار کا ہونا ان سے ممکن نہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب
 میں کہا ہے بغیر کسی بیشی کے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے یہ دوسرا مضمون ہی
 دم مارنے کا مقام نہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حقائق و معارف حضرت شیخ کے اپنی جگہ پر ہیں
 کس کی مجال ہے کہ اس میں دم مارے مگر یہ مسئلہ فقہ کا ہے اس میں قیاس صحیح اور دلیل کی ضرورت
 ہے یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی ہو و نسیان سے خالی نہیں ہے اور سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
 کے کوئی غلطار و غلط سے معصوم نہیں ہے آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے اور تمام تابع آپ کے
 اسکو نقل کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت خلو و عذاب کے باب میں واقع نہیں ہوئی ہے۔
 اگر ہے تو خلو و نار میں ہے اور دخول نار عذاب کو مستلزم ہے پس آگ میں ہمیشہ رہنا بھی پیشگی
 عذاب کو مستلزم نہ ہو حالانکہ قرآن مجید میں عذاب کے خلو کا بیان بہت جگہ ہے چنانچہ سورہ
 مائدہ میں فرمایا وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خَالِدُونَ اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے اور سورہ فرقان میں
 ہے وَيَجْلِدُ فِيهِمْ بِهَا نَارًا اور ہمیشہ کے واسطے داخل ہوگا عذاب میں ذلیل ہو کر فیہ میں ضمیر
 عذاب کی طرف راجع ہے اور سورہ الم سجدہ میں ہے وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ اور پیکھو تم
 عذاب پیشگی کا۔ اور سورہ زخرف میں سَمَانَ الْجَحْمِ مَبِينًا فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ
 بیفک گنہگار یعنی کفار و دنخ کے عذاب میں ہمیشہ رہینگے۔ باوجود حضرت شیخ محی الدین بن عربی
 رحمۃ اللہ علیہ کے اس علم و کمال اور اس تلاش کے جو آپ میں مخصوص تھی خلو و عذاب کا قائل
 نہ ہونا شیخ سے بھول نہیں تو اور کیا ہے واللہ اعلم۔
 حامل کلام یہ کہ اعتقادات اور احکام کفر و ایمان میں سواد اعظم سے باہر نہیں ہونا چاہیے
 وراثتہ مجتہدین کا تابع رہنا چاہیے خصوصاً ایسے مسئلہ میں جس میں سب کا اجماع اور اتفاق ہو
 لفظ آداب اور اخلاق میں مشائخ کے تابع رہنا چاہیے اور ان پر حسن ظنی اور اعتقاد رکھنا چاہیے
 ان کے کلام کو علماء اور مجتہدین کے کلام کے موافق تطبیق دینی چاہیے ریاضت اور مجاہدہ
 نفس سے قدم رکھنا چاہیے اگر استعداد کامل ہے اور نیت صیادق ہے اور مجاہد توجی ہے

احوال اور انوار خود بخود کہل جائیں گے۔ اس میں تکلف بناوٹ اور تقلید سے بچنا چاہیے واللہ الوہاب
وَقَفْنَا لِلَّهِ وَإِيَّاكُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَسْخِي -

شیخ ابن حجر مکی نے کتاب زواجر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی رو سے
فَلَمْ يَكُنْ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَآئِنًا رِيس نَفَعَنَّهُمْ وَيَكُونُوا إِيمَانًا جَب وَيَكُونُوا
وہ عذاب ہمارا) تمام علماء امت اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پر اجماع کیا ہے اور اگر کسی کے
تزوید اللہ پر ایمان لانا معتبر ہو تو بھی اجماع کے انعقاد میں شک نہیں ہے کیونکہ صرف اللہ پر ایمان
لانا رسول پر ایمان لانے کے بغیر معتبر نہیں ہیں اگر تسلیم کیا جائے فرعون کا اللہ پر ایمان لانا تو بھی وہ
موسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان نہیں لایا تھا پس یہ ایمان اسکو کیا نفع دیکھا اگر کوئی کافر ہزار بار اَشْرَفُ
أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ الْمُسْلِمُونَ کہے تو وہ مومن نہیں ہو سکتے کہ وَأَنَّ
مَحْتَلًا سَوَّلَ اللَّهُ نَبِيَّ -

اور اگر کوئی یہ کہے کہ فرعون کے جادوگر بھی تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے
اور انکا ایمان مقبول ہوا جواب اسکا یہ ہے کہ جادوگروں نے جب یوں کہا کہ أَمْثَلُ بَوْبِ الْعَالَمِينَ
رب موئے و ہارون یعنی ایمان لائے ہم تمام جہان کے پالنے والے پر کہ وہ
موسیٰ اور ہارون کا رب ہے) تو ایمان کی اضافت موئے و ہارون کے رب کی طرف کی ضمن
میں موئے علیہ السلام پر بھی ایمان کا لانا ثابت ہو گیا اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف
اضافت نہیں کی بلکہ الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ کہا یعنی وہ خدا جس پر بنی اسرائیل
ایمان لائے۔

دوسرے یہ کہ جادوگر ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ پر اور
رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے پس جادوگر صرفاً موسیٰ علیہ السلام
پر ایمان لائے اور فرعون کے کلام میں گہر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اشارة یا صراحة نہیں
جاتا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا نام نہ لینا اور بنی اسرائیل کا ذکر کرنا کہ وہ اجماع موسیٰ علیہ السلام کے
ساتھ کافر ہے۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ بعض اہل تصوف نے نقل کیا ہے کہ عذاب دیکھنے کے وقت

کالانا نافع ہے پس دعویٰ اجماع فرعون کے کفر پر کس طرح درست ہوا اسکا جواب یہ ہے اول تو اس نقل کی صحت کلام ہے کہ ایسے صوفیہ نے جو مجتہدین ہیں ایسا کہا ہے کہ انکے قول پر اعتماد ہی اور ان کی مخالفت اجماع کے انعقاد کو منع کرتی ہے اور جو نقل صحیح تسلیم کیجائے تب بھی فرعون کے کفر پر اجماع امت کے انعقاد میں کچھ ضرر نہیں اسلئے کہ نرسے باس کا ایمان معتبر نہ ہونے سے فرعون پر کفر کا حکم نہیں کیا گیا ہے بلکہ موسے علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے... بھی اس میں شامل ہی اگر کہیں کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اور انہوں نے فرعون کے ایمان پر حکم لگایا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے یعنی اس باب میں کلام ابن عربی مسلم نہیں ہے اور خطار سے معصوم ہونا انبیاء کا خاصہ ہے آیات اور احادیث ایمان باس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں پس بعد موجود ہونے آیت اور حدیث کے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ ائمہ صحابہ اور تابعین و مجتہدین نے حدیث اور اجماع کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ غرض جب ثابت ہوا کہ ایمان باس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے اور اگر تسلیم بھی کہیں کہ ایمان باس صحیح ہے تو فرعون کا ایمان جب بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ موسے اور ہارون علیہما السلام پر ایمان نہیں لایا۔

یہ ترجمہ کتاب زواجہ ابن حجر کا مختصر اور ملخص لکھا گیا ہے واللہ اعلم بالحوطن والسرائر والصلوة والسلام علی السید المصدق محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین
وَالْكَبِيرَةُ لَا تُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ عَنِ الْإِيْمَانِ اور گناہ کبیرہ نہیں نکالتا بندہ مومن کو ایمان سے جب معلوم ہو چکا کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے اور اعضاء کے عمل ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں لیکن بغیر اعمال کے ایمان کامل نہیں ہوتا بلکہ ناقص ہے اور ناقص ہونا کسی چیز کو اسکی حقیقت سے نہیں نکالتا بلکہ اسکو کمال کے درجہ سے نکال دیتا ہے پس ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہ بندہ مومن کو ایمان کامل سے نکال دیتا ہے مگر اصل ایمان سے نہیں نکالتا اور گناہ فسق بندہ کو کافر نہیں کرتا ہاں فاسق اور گنہگار بنا دیتا ہے پس مومن دو طرح کا ہوتا ہے ایک طیب و فرمانبردار کہ وہ مومن کامل ہے۔ دوسرا عاصی و بدکردار کہ وہ مومن ناقص ہے۔ پس اسکی اصطلاح فاسق اور عاصی پر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور ان پر تمام احکام مسلمانی

گناہ کبیرہ سے فاسق نہیں کرتا

کے جاری ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم فارستوں اور گناہوں کی نمازین پڑھتے اور انکو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے تھے اور ان کے واسطے دعا اور استغفار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ کبیرہ وہ ہے کہ اسکا گناہ ہونا یقینی دلیل سے معلوم ہوا ہو یا اسپر وعید آئی ہو جیسا کہ ناحق خون کرنا۔ زنا کرنا۔ بواہت کرنا۔ نیک عورت کو کسی کے نکاح میں ہونے کی تہمت لگانا۔ دو چند کافروں کے مقابلہ سے بہاگ جانا۔ جاو کرنا ناحق تہیم کا مال کہا جانا۔ ماں باپ مسلمان کو ناحق ستانا۔ مکہ معظمہ کے حرم کی حد میں جن چیزوں کی مانعت ہی وہ کرنی۔ بیاج کہانا۔ چوری کرنا۔ شراب اور نشہ کی کوئی چیز پینی یا کہانی۔ سور کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینی۔ بے عذر سچی گواہی چھپانی۔ بے عذر رمضان شریف کے روزے نہ رکھنے۔ نماز نہ پڑھنا۔ یا نماز کا بیوقت پڑھنا۔ مال کی زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسم کھانی۔ قطع رحم کرنا۔ ناپسے یا تولنے میں خیانت کرنا۔ مسلمانوں کے ساتھ ناحق لڑائی کرنا۔ صحابہ کو برا کہنا۔ رشوت لینا۔ حاکم وقت سے کسی کی بھلی کھانی۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا۔ قرآن شریف یاد کر کے بھول جانا۔ کسی جاندہ کو آگ میں جلا دینا۔ عورت کو مرد کی نافرمانی کرنی۔ مرد کو عورت پر ظلم کرنا۔ جو رو خداوند میں لڑائی ڈلوانی۔ علماء دین اور حافظوں کی اہانت کرنی۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے نہ امید ہونا۔ اور اسکے عذاب سے بیخوف ہونا۔ یہ تمام مولانا جلال الدین دوانی نے رویانی سے نقل کیا ہے۔ رویانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں بعض علماء نے ان پر اور زیادہ کئے ہیں انکے معلوم کرینیکا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کبیرہ شرع شریف میں جسکے واسطے وعید کا آنا یقیناً معلوم ہو اوہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ گناہ صغیرہ ہے گناہ صغیرہ میں ایسی سختی نہیں ہے اسواسطے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اور مذہب مختار یہی ہے کہ گناہ صغیرہ تقویٰ میں نقصان نہیں پہنچاتا بشرطیکہ اسپر استہار نہ ہو۔ گناہ کبیرہ کرنا اولیٰ کے دین میں اگرچہ نقصان اور ایمان میں ضعف ہے مگر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہونے کی فرقہ خارجہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہ کرنے واسطے کو بھی کافر کہتے ہیں اس مذہب کا باطل ہونا اور ہو چکا۔ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے یہ پہلا مسئلہ ہے

تکرار

اسلام کے دین میں تمام مسلمانوں کے اجماع کے برخلاف پیدا ہوا ہے اور معتزلہ ہی پہلا فرقہ ہے
 جس نے مسلمانوں کی بنا میں رخصت والا ہے اپنی عقل و خواہش کی متابعت کی ہے نصوص ظاہری کی
 تاویل کی ہے رخصت خدا اللہ (یہ مذہب بالکل باطل اور رائے سخیف ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ
 نے اپنے بندوں کو دو قسم پر بنایا ہے مومن اور کافر چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ
 كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ سوائے ان دو کے کوئی تیسری قسم نہیں ہے حقیقت میں ان لوگوں نے
 حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی قدر ہی نہیں کی کہ ایمان کی قوت اور
 نورانیت کے مقابلہ میں تمام گناہ بے حقیقت ہیں جیسا کہ نیکیاں باوجود کفر کے کچھ فائدہ مند نہیں ہوتیں
 اسی طرح بدیاں بھی ایمان پر غالب نہیں آسکتیں اور ضرر نہیں پہنچاتیں ہاں ایمان کے کمال میں فرق
 آجاتا ہے اور اگر بطور استخفاف کے گناہ کرے یعنی حرام کو حلال جانے اور گناہ کو کچھ نہ سمجھے یہ
 کفر ہے اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے اور جو حرام کو حرام سمجھے اور گناہ کو گناہ جانے مگر بشریت
 سے خواہش نفسانی غالب ہو جاتی ہے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو کافر نہیں ہوتا کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان
 کی حقیقت ہے دل میں موجود ہے پس ایسا شخص مسلمان ہے مگر اسکے اعضاء اور جوارح نافرمان ہیں
 دل کا کہنا نہیں اتنے خصوصاً ایسے وقت کہ ضباب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔
 باوجود اسکے مغرور ہونا نہیں چاہیے کہ گناہ کی نحوست دل کی صفائی اور ایمان کی تازگی کو اس طرح
 کہوتی ہے کہ نام و نشان باقی نہیں رہتا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور کفر سے ایک درجہ بڑیکر دیتی ہے
 اور جو عادت ہو جاوے اور ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہے تو کفر سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ حدیث شریف
 میں آیا ہے کہ جب بندہ سے گناہ ہوتا ہے اسکے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کرے تو
 جاتا رہتا ہو ورنہ بڑھتا جاتا ہے اور تمام دل کو سیاہ کر دیتا ہے ایمان کی اور حق بات سننے کی جگہ نہیں رہتی
 فقہ اور طبع کے ہی معنی ہیں جو قرآن شریف میں ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
 لَمَّا رَأَوْهُمُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَخَتَرَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ پہلی آیت کے معنی یہ ہیں ایسا نہیں جیسا کہ
 گمان کرتے ہیں بلکہ انکے دلوں میں زنگ پیدا ہو گیا۔ دوسری آیت کے معنی ہیں مہر کر دی اللہ
 دلوں پر۔ تیسری کے معنی بھی یہی ہیں مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں پر۔
 پس گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے باہر نہیں لاتا لیکن کفر میں پڑ جانے کا خوف ہو جاتا ہے

سلامتی اسی میں ہے کہ دنیا کو بقدر ضرورت اختیار کرنے وہ عین کمینہ میں اعلانِ کفر کا گناہ نہ ہو سکے۔
 سکے ووم استقدر کپڑا جس سے ستر عورت ہو جاوے سوم اتنا مکان کہ گرمی جائزے کے پناہ دیکھ سکے
 اور حد ضروریات سے تجاوز کر کے مباحات کے میدان میں قدم رکھنا اور توسیع کا دواوازہ اپنے اوپر
 کھولنا شبہات و مکروہات میں پڑ جانا ہے اور رفتہ رفتہ محرمات تک نوبت پہنچ جاتی ہے یہیں اسلام کی
 سرحد تو یہاں تک ختم ہو گئی اسکے آگے کفر کا گھر ہے نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ حاصل کلام یہ کہ کمال
 اور نقصان کی ترقی اور تنزل کے یہی دو راستے ہیں کمال اور ترقی ایمان کے لانے اور واجبات
 اور سنتوں اور نفلوں کے بجالانے اور مرتے دم تک اسپر قائم رہنے اور بقدر ضرورت دنیا سے حاصل
 ہوتی ہے۔ اور تنزل ضرورت سے زیادہ شبہات اور حرام میں پڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور کفر تک
 نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کام کی حقیقت اور حال کی سلامتی خوف اور رجا کے درمیان ہے۔

وَأَهْلُ الْكِبَايِسِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَجُدُ قَانَ فِي النَّسَا

فَإِنْ مَا تَقَىٰ مِنْ غَيْبِ تَوْبَةٍ اور مومن کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ آگ میں
 نہیں رہیں گے۔ اگرچہ بے توبہ مریں کیونکہ جب بندہ کبیرہ گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور قرآن
 و حدیث سے ثابت ہو چکا کہ ہمیشہ آگ میں رہنا خاص دین کے منکروں اور کافروں ہی کے واسطے
 ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ گنہگار و مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اگرچہ توبہ کے بغیر
 مریں جہنم خدا تعالیٰ چاہیگا انکو عذاب کریگا اور دوزخ میں رکھے گا آخر پاک کریگا اور بہشت میں
 پہنچاویگا۔ پھر کبھی وہاں سے باہر نہیں لاویگا۔ امام حکیم ترمذی نے نو اور الاصول میں حضرت ابوہریرہ
 رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ٹھیرنا بعض گنہگاروں کا دوزخ میں ایک گہری سے زیادہ نہیں
 ہوگا۔ اور بعض کا ایک دن اور بعض کا ایک مہینا اور بعض کا ایک برس بعض کا اس سے زیادہ لیکن
 دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی گنہگار دوزخ میں نہیں ٹھیرے گا اور وہ مدت سات ہزار برس کی ہے۔
 نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اور ایسا ہی روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور ابن ثناء بن علی
 رضی اللہ عنہ سے وَأَللّٰهُ لَا يَعْفُرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَعْفُرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ نَشَاءُ
 اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ مشرک اور کافر کو سزا نہیں بختے گا باقی گناہ منغیر
 کبیرہ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو چاہے جتنے اور چاہے کبڑے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَهَكَذَا مَا

اہل کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے خواہ بلا توبہ مریں۔

اللہ تعالیٰ کے ہوا
 اور جو چاہے یگانگت بنا

موت سے پہلے کہے اور جو ارادہ فرماوے کلمہ وسے۔ حاصل یہ کہ آدمی دو قسم کے ہیں مومن اور کافر۔ مومن بھی دو طرح کے ہیں مطیع اور عاصی۔ عاصی بھی دو قسم ہیں تو بہ کرنے والے اور تو بہ سے محروم ہیں۔ کفار اجماعاً ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور مومن مطیع اور عاصی تو بہ کرنے والے بالاتفاق جنت میں رہیں گے۔ زہا وہ گنہگار جس نے تو بہ نہ کی ہو اگر خدا چاہیگا اسے عذاب کرے گا اور اسکے گناہوں کے مقدار دوزخ میں داخل کرے گا اور عذاب کے بعد پھر جنت میں داخل فرما دے گا اور جو چاہیگا کسی کی شفاعت سے یا بغیر شفاعت کے جنت میں داخل کر دے گا عذاب نہیں دے گا۔

يَعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَعْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ (جسکو چاہے عذاب میں ڈالے اور جسکو چاہے بخش دے) سے یہی مراد ہے۔ گناہوں کے بخش دینے میں بہت حدیثیں ہیں ایک وہ

حدیث ہے جو سوال کے باب میں مذکور ہوئی اور اسی کی مانند یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اسکا اعمال نامہ اُسکے ہاتھ میں دے گا وہ دیکھے گا کہ اس میں گناہوں کے سوا اور کچھ نہیں اور اعمال نامہ کی پشت پر نیکیاں ہونگی کہ تمام خلائق اسکی نیکیوں ہی کو دیکھے گی بدیاں مخلوق سے پوشیدہ رہیں گی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماوے گا اے بندے میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے تھے آج بخش دیتے اب بہشت میں جا ہمیشہ وہاں رہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے عقل کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے کہ یہ بات زبان پر لائے

کہ کافر کو کیوں بخشا اور کس واسطے ایک کو بخشا اور دوسرے کو پکڑا يَجْعَلُ اللَّهُ مَعَاذَكُمْ

وَيَجْعَلُ مَا يَرِيءُ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جس بات کا ارادہ کرتا ہے پس ظاہر

ہو کہ اسکا حکم ایسا ہے کہ وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ وعید میں خلاف ہو یہ صرف

اسکا کرم ہے کہ کرمیوں کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ جب انعام و احسان کا وعدہ کرتے ہیں اُسے

مخالف پورا کرتے ہیں کہ الْكُرِّيْحِرَاذَاوَعَدُوْفَا جَب غصے اور عذاب سے ڈراتے ہیں تو

اس سے دد گذر کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا اور

اسکی خبر میں جموٹ لازم آوے اور وہ جھوٹ سے پاک ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ وعید کی خبر

میں ممکن ہے کہ اسکا کرم کے مقتضائے موافق مشیت کی شرط مقدر ہو اگرچہ اسکی تصریح نہیں

ہے اور وعدے جیسے ہونے والے تھے ویسے ہی ہوں اور وہ آیتیں اور حدیثیں جنہیں مشیت کا

بیان ہے تقدیر مشیت کا قرینہ ہے لہذا وحید کی خبروں کے احاطہ عذاب کا امر ہے اور
بالفعل مراد ہے یا فقط انشاء وعید مراد ہے حقیقت خبر مراد نہیں۔ ان سب صورتوں میں کذب اور
تکذیب لازم نہیں آتی واللہ الموفق وهو اعلم۔

وَيَجُوزُ الْعِقَابُ عَلَى الصَّغِيرِ كَأَنْ يَجُوزَ عَلَى الْكَبِيرِ
جب کفر کے سوائے سب گناہوں پر مواخذہ و عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور صغیر
بھی گناہ ہے تو اسپر بھی مواخذہ اور عذاب جائز ہوا۔

وَاللَّهُ تَعَالَى أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ إِلَى الْبَشَرِ مَبَشِّرِينَ
وَمُنذِرِينَ وَمُبَيِّنِينَ لِلنَّاسِ مَا يَجْتَنِجُونَ إِلَيْهِ
مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرِينَ اور اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے آدمیوں میں

سے آدمیوں کی طرف جنت کی خوشی سنانے والے اور دوزخ سے ڈرانے والے اور
آدمیوں کو دنیا اور دین کے وہ کام بتانے والے جنکی طرف انکو حاجت پڑے اللہ تعالیٰ

پر کوئی چیز واجب نہیں ہے وہ خود فاعل و مختار ہے جو چاہتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ اسکو
ضرورت ہے اور نہ وہ کسی کا مجبور اور محکوم ہے نہ عقل کسی چیز کے واجب ہونیکا اسپر حکم کرتی ہے کہ خود

اسکی محکوم ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل و کرم سے وہ چیزیں کہ عالم کے باقی رہنے کا اور انسان
کے کمال کا سبب ہوں اور اسکے دنیا و آخرت کے کاموں میں درستی و اصلاح کا باعث ہوں

اپنے اوپر مقرر و لازم کر لی ہیں اور وہی ان کا ضامن و کفیل ہے جیسے رزق کا دنیا بندوں کو ہدایت
کرنا پیغمبروں کو بھیجا۔ یہ کام اسپر واجب نہیں بلکہ اپنی عادت سے محض اپنے فضل و کرم سے ان

کاموں کو کرتا ہے۔ اور جبکہ عام مخلوق کو اتنی استعداد اور ایسی قابلیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ
کی جناب سے بے واسطہ فیضیاب ہو سکیں اور انکو عالم ملکوت تک پہنچانا نہایت دشوار ہے اسلئے

انہیں آدمیوں میں سے بعض کو برگزیدہ کیا اور انکو اپنی ذات و صفات اور افعال کا علم سکھایا اور
جن امور میں انسان کی بہلانی تھی وہ انکو سکھا دیئے اور خلقت کی طرف انکو بھیجا کہ وہ مخلوق کو خدا

کی طرف بلا دیں ہدایت کا راستہ سکھا دیں اور جن چیزوں کی دنیا و آخرت میں ضرورت ہے
وہ بتلا دیں۔

لیکن جب کہ گناہ صغیر و کبیر ہوا

اللہ تعالیٰ نے رسول دنیا میں بھیجے ہیں

میں سے یہ کہ اللہ کریم نے بہشت کو پیدا کیا اور اس میں نیکیوں کے واسطے مقام مقرر کیا اور دوزخ
 بنایا اور کوئی فرماؤں کے واسطے تجویز کیا اب ایسے کاموں کا معلوم کرنا جو اچھے ہوں اور بہشت میں
 لجاویں یا برے ہوں اور دوزخ میں لجاویں صرف عقل کا کام نہیں اس واسطے انبیاء کو بھیجا تاکہ
 وہ مخلوق کو بتلاویں کہ فلاں کام اچھے ہیں اور فلاں برے پھر خلق کو حجت اور غدر باقی نہ رہے
 چنانچہ فرمایا **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ مِمَّا كُنْتُمْ عَلَى اللَّهِ فَجُورًا بَعْدَ مَا سَأَلْتُمُوهُ** تاکہ نہ رہے لوگوں کو
 اللہ پر الزام کی جگہ رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور فرمایا **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ**
 اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔ فی الواقع تمام علوم کے ماوسے اور ان کے
 اصول خواہ زمین کے متعلق ہوں یا آسمان کے متعلق ہوں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
 ہی کے ذریعے تمام مخلوق کو پہنچے ہیں علم کا مبداء اور چشمہ وحی آسمانی ہے تمام عالم اور حکیم اسی سے
 علوم حاصل کرتے ہیں سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا ہے یہ ممکن ہے کہ قیاس یا اجتہاد یا ریاضت
 و مجاہدہ کے سبب علماء نے اور باتیں بڑھائی ہوں مگر وہ اسکی شرح اور تفسیر ہے۔ اگر یہ خیال
 گذرے کہ بعض علوم شریعتوں کے مخالف ہیں اسکا کیا سبب ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ سنت اللہ
 اسبطر ہے کہ شراعیہ سابقہ منسوخ ہوں وقت کے موافق احکام بدلے جائیں جب یہ صورت
 ہوتی بعض اشخاص پہلے دین پر رہے اور نئے پیغمبر کی متابعت کے مخالف ہوئے اور محروم
 رہے بعض نے تحریف کر کے بہت چیزیں بڑھا دیں اور ایک جماعت ایسی ہوئی کہ انھوں نے اپنی
 عقل بوافضول سے اوہام باطلہ اور خیالات و اہیہ کو دخل دیکر قبیل و قال اور بحث و جدال کا دروازہ
 کھول دیا۔ اور ایک فرقہ کا یہ اعتقاد جم گیا کہ حکیموں نے صرف اپنی ریاضت و استدلال سے بغیر
 کسی کے پڑھائے علوم ایجاد کئے ہیں کسی کا واسطہ بیچ میں نہیں یہ اعتقاد و خیال غلط اور نہایت بعید
 ہے علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ استاد ہی ہے اور مطالب زیادہ حاصل ہوں وہ فہم و استنباط سے
 ان کے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے **انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم** اس میں اشارہ ہی
 کہنے سے حاصل ہوتا ہے اور علم بروباری سے آتا ہے۔

**كُنَّا نَسْتَدْرِكُ بِالْمُعْجَزَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالْآيَاتِ السَّاطِعَةِ
 كَقُلُوبِنَا** اور تائید فرمائی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ظاہر معجزوں اور چمکتی نشانیوں

الاشرفی نے رسولوں کی
 تاثیر معجزات سے کی ہے۔

کے ساتھ جن پر یقین اور ایمان حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ ہر ایک دعویٰ کے واسطے دعویٰ پر یقین کرنے والے کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ہم سفیر ہیں یا رسول ہیں اور مخلوق کے معجزوں کا ان سے ہونا انکے دعویٰ کی دلیل ہے۔

معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوا اور اسکے دعویٰ کے ثبوت ہو بنی کے سوائے غیر بنی اسکے لانے سے عاجز ہو۔ خرق عادت کے یہ معنی ہیں کہ بغیر سبب ظاہری کے وہ کام بنی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ یعنی حکیم مطلق نے دنیا میں تمام کام اسباب پر موقوف رکھے ہیں سنتا آئی ہی ہے کہ بغیر سبب کے کام پیدا نہیں کرتا اسی کو عادت کہتے ہیں اور کبھی اپنی قدرت سے عادت کو توڑ کر بے سبب اپنے رسول کے ہاتھ پر اس کام کو پیدا کر دیتے ہیں تاکہ اسکی رسالت کی دلیل ہو پس معجزہ فعل التذہیٰ کا ہے نہ رسول کا اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کا توڑنا بندہ سے ممکن نہیں ہے۔ معجزہ بنی کے پتے ہونے کی دلیل یقینی ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی بنی کے پتے ہونے کا علم بے اختیار دل میں حاصل ہو جاتا ہے اور نفس اسکی تصدیق میں مجبور ہو جاتا ہے انکار کی طاقت اور مجال نہیں رہتی نفس کی جبلی اور پیدایشی خاصیت ہی ہے۔ نبوت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے اس واسطے بہا ہی ایسی ہی چاہیے کہ اعلیٰ درجہ کی ہو پس معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہے اس کے غلبہ اور رعب کے آگے کسی کا پاؤں نہیں جتنا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے بخلاف دلائل عقلیہ و نقلیہ کے گویا چند گرہ ہیں کہ خیال کے تاگے میں لگائی ہیں ان سے دشمن کو الزام دینا اور مخالف کو ساکت کر دینا نہایت مشکل ہے نزاع اور جدال کا راستہ ان سے بند نہیں ہوتا چنانچہ علم کلام اور فلسفہ کے دلائل اسی قسم کے ہیں۔

پس اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کافر رہے یہ کفر اسکا صرف عناد اور اذنی بر نفسی

کے سبب ہے۔

وَأَقُولُ الْإِنْبِيَاءِ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَخْسَنُهُمْ
فَتَحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام

ہیں اور سب کے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتِمَ النَّبِيِّينَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

اور خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئے

پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور عکارم اخلاق کا پورا کرنا تھا جب یہ مقصود حاصل ہو گیا اور دین و اخلاق دونوں پورے و کامل ہو چکے تو حضور کے بعد اور کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے پیوگارا اور محافظ ہیں۔ قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اسکی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔

وَالْأُولَىٰ أَنْ لَا يَعْلَمَ عَدَدُهُمْ بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد مقرر نہ کریں اگرچہ بعض حدیثوں میں ہے کہ تمام پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید میں فرمایا ہے مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ یعنی بعض انبیاء کا حال ہم نے تمہارے سے بیان کیا اور بعض کا بیان نہیں کیا یعنی انکا نام بھی نہیں بتلایا اور نہ احوال ذکر کیا اور ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرمایا ہو لیکن قرآن مجید میں نہیں فرمایا اس کے مجمل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ پیغمبر ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ وہ مسلمان عادل باو شاہ تھے اور یہی حق ہے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض ذوالقرنین کو فرشتہ کہتے ہیں مگر یہ بات نہایت بعید ہے۔ نام میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ انکا نام اسکندر ہے بعض نے عبد اللہ و مردبان مزرعی و ہرمین سوائے انکے اور بھی بیان کئے ہیں اور یہ اسکندر رومی فیلقوس کا بیٹا ہے جس کے صاحب حضرت حضرت تھے اور جس نے آب حیات کے چشمے طلب کئے اور نپایا اور اسکندر یونانی دوسرا تھا وہ یونان یافت کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا اسطواسکا وزیر تھا اور اکثر کا قول ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے اور بقول ابن عبدالحق کہ امام حدیث و تفسیر کے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چار شخص مشرق سے مغرب تک دنیا کے مالک ہوئے ہیں دو مسلمان ایک حضرت سلیمان علیہ السلام۔ دوسرا ذوالقرنین۔ دو کافر ایک نمرود۔ دوسرا نبت نصر اور پانچویں امام عیسیٰ علیہ السلام ہونگے۔ کہ آخر زمانہ میں پیدا ہونگے۔ سکندر کا نام ذوالقرنین ہونے میں

انبیاء کی تعداد کا حسین کرنا ضروری نہیں

ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے

کئی قول ہیں وہب بن غنیمہ کہتے ہیں کہ دو قرن زمین کا مالک تھا یعنی زمین کے دونوں جانب مشرق اور مغرب کا مالک تھا۔ یا ایک روم دوم فارس۔ یا ایک روم دوم ترک۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکے دو گیسوتھے اس واسطے اُسے ذوالقرنین کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اسکے سر پر دو سینک بیل کی مانند تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے دو قرن بادشاہت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاد میں اسکے سر پر دونوں طرف دو زخم آئے تھے اسلئے اسکو ذوالقرنین کہتے ہیں اور ابن کوا سے جو اصحاب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں کسی نے پوچھا کہ ذوالقرنین پیغمبر تھا کہا کہ نہیں مگر مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کے رستہ میں اسکے سر پر دو اپنی طرف زخم آیا اور مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو زندہ کر دیا پھر بائیں طرف زخم آیا اور مر گیا۔ خدا تعالیٰ نے پھر جلا دیا اسوقت سے اسکا نام ذوالقرنین ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آفتاب تک پہنچا اور اسکے دونوں طرفوں کا مالک ہو گیا جب سے اسکا نام ذوالقرنین ہو گیا واللہ اعلم۔

لقمان کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے خواہر زادے تھے بعض کے نزدیک خالہ زاد بھائی تھے بعض کہتے ہیں کہ بی تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ولی اللہ اور حکیم تھے ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کئے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو اے عنہما سے یہ منقول ہے کہ لقمان نبی تھے بادشاہ نہیں تھے بلکہ غلام حبشی تھے بکریاں چرایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکو پرگزیدہ کیا اور حکمت و عقل و جوانمردی عطا کی اور اپنی کتاب میں انکا ذکر کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت صحیح امر یہ ہے کہ وہ نبی عمر بڑی عمر والے ہیں مخلوق کی آنکھوں سے محبوب ہیں اب حیات پئے ہوئے ہیں قیامت تک زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک ولی ہیں لیکن جو فرشتہ کہتے ہیں انکا قول باطل ہے اور جہور اہل علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نہیں مرینگے۔ جب تک کہ دنیا سے قرآن مجید نہیں اٹھایا جاوے گا۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ وہ نبی ہیں سخاوی نے بھی یہی کہا ہے اور قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ خضر کے زبر اور ضاد نقطہ دار کے زبر سے اور خ کے زبر اور ضاد نقطہ دار کے سکون سے ہے انکا نام بلیا بن ملک ان ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے

لقمان کی نبوت میں اختلاف ہے

حضرت خضر علیہ السلام کا بیان

پہنچتے گویہ قول نہایت غریب اور شاذ ہے بعض کہتے ہیں مالک کے پسر ایساں کے بھائی ہیں بعض کے نزدیک آدم علیہ السلام کے صلیبی فرزند ہیں واللہ اعلم۔ حاصل کلام یہ ہے کہ باتفاق مشائخ صوفیہ اور بقول جاہیر علماء حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور محدثین کی ایک جماعت جن میں امام بخاری و ابن المبارک اور حرمی و ابن جوزی ہیں حضرت خضر کی حیات کا انکار کرتے ہیں ان حضرات محدثین کی دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے زمانہ کے قریب فرمایا کہ کوئی جاندار روئے زمین پر سو برس کے بعد باقی نہیں رہیگا مگر اس حدیث میں تاویلات ہیں اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ سے شہرت کے درجہ کو پہنچی ہے اور انھوں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تعزیت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا لَقَدْ كَانَ الْخَضِرُ حَيًّا لَنْ اَسْرَفِي یعنی اگر خضر زندہ ہوتے تو مجھ سے ملتے ملاقات سے پہلے کا ہی اس قسم کی ملاقات عرف و عادت پر ہے اس واسطے کہ خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیثیں نقل کی ہیں اور بعض مشائخ رحمہم اللہ نے وہ حدیثیں ان سے سنی ہیں۔

حضرت مریم اور آسیہ سارہ و ہاجرہ و حوا اور اُم موسیٰ میں جنکا نام یوحنا ہے (علیہن السلام) کی نبوت میں ایک قول آیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نبوت مزون کے ساتھ خاص ہے اور قرآن شریف میں موجود ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُوْحٰی اِلَيْهِمْ یعنی اور ہم نے نہیں بھیجے آپ سے پہلے رسول مگر مرد جنکی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں اگرچہ قرآن میں ان عورتوں کی طرف بھی وحی کی نسبت واقع ہوئی ہے اور انکو پیغمبروں کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اس سے کسی پیغمبری اور نبوت پر حکم نہ کرنا چاہیے کہ وحی سے ان مقاموں پر الہام و اعلام مراد ہی چنانچہ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى الْخَضِرِ اور تیرے رب نے وحی بھیجی شہد کی کہیوں کی طرف انبیاء کے ساتھ انکا ذکر انکی بزرگی و اکرام کے واسطے ہے۔

كُلُّهُمْ كَانُوا مُبْتَلٰی عَنِ اللّٰهِ صَادِقٰی
مُؤْمِنٰی عَنِ مَعْرُوفٰی یعنی تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام پہنچانے والے
انکا بدل سے پاک تھے اور معزول نہیں ہوئے اپنے منصب نبوت سے یعنی جو کچھ

پیغمبروں نے کہا سب سچ کہا اور جو کچھ لائے خدا تعالیٰ کے پاس لائے جو امر وہی کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کرتے ہیں گناہوں سے معصوم ہیں جب معجزہ سے رسالت کا دعویٰ ثابت ہوا اب جو کچھ وہ کہتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ اور نہیں رسول کے ذمہ سوائے پہنچانے کے اور اگر وہ جھوٹ بولیں جو حکمت ان کے ارسال سے ہے وہ باطل ہو جائے اور اگر گناہ کریں خلقت ان سے نفرت پکڑے نصیحت اور ارشاد کا راستہ سدود ہوا نبیاری کی عصمت جھوٹ بولنے اور کبیرہ گناہ کرنے سے مطلق ہے نہ قصداً گناہ کرتے ہیں اور نہ بھول کر گناہ کرتے ہیں صغیرہ گناہ بھی ان سے عمداً نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک کبیرہ بھولے سے اور صغیرہ قصداً جائز ہو لیکن وہ گناہ جو نفرت کا سبب ہوا اور خشیت پر دلالت کرتا ہو وہ کسی صورت میں جائز نہیں جیسے چوری ایک لقمہ کھانا یا حقیر چیز کی یا مثلاً مین دین میں ایک رتی بھر کی کمی اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مختار یہی ہو کہ معصوم ہیں کبار و سفار سے حمد و سہو اور ان کے مرتبہ عالی اور منصب عظیم کے لائق بھی یہی ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین ایسا ہی ذکر کیا ہے بعض فقہار اور محدثین ساکنین مدینہ نے قصیدہ المالیہ کی شرح میں۔ احکام الہی کے پہنچانے میں اور ان کاموں میں جو رسالت کے متعلق ہیں ہرگز ہرگز ان سے سہو نہیں ہوتا ہاں ان کے سوا اور افعال میں سہو ہو سکتا ہے چنانچہ سہو و سہو کے باب میں مذکور ہے اور وہ خطائیں اور لغزشیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت مذکور ہیں بعض ان میں سے صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں انکی تاویلات ہیں کتابوں میں مذکور ہیں انکے ظاہر کا معتقد نہ ہونا چاہیے۔

اور انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم معزول نہیں ہوتے اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے مرتبہ رسالت اور نبوت کا انکو عطا فرمایا ہے وہ اُنسے الٹا واپس نہیں لیتا رسالت موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں وہ زندہ اور باقی ہیں ان کے واسطے وہی ایک موت ہے جو ایک دفعہ ہو چکی اسکے بعد انکی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان دنیا میں تھی وہی عطا فرماتے ہیں یہ حیات انبیاء شہدائی حیات سے کامل تر ہے کیونکہ شہدائی حیات معنوی اور پوشیدہ ہے۔

اور نسخ ہونا شریعت کا نبوت سے معزول ہونا نہیں ہے اور اولیاء معزول

خوف سے اور خاتمہ کے ڈر سے دنیا میں بے خطر نہیں ہیں اگر ایمان پر گئے ہیں مومن اور ولی ہیں جیسے مثلاً خواب کی حالت میں ہوں۔

قبروں سے استعانت و استمداد میں فقہاء کو کلام ہے یہ کہتے ہیں کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے قبور کی زیارت سے مقصود صرف عبرت اور موت کا یاد کرنا ہے یا موتی کو نفع پہنچانا اور ان کے حق میں استغفار کرنا اسی طرح حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیارت قبور نفع غرقہ میں ثابت ہے۔ اور مشائخ صوفیہ صافیہ قدس سرہم کہتے ہیں کہ بعض اولیاء کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے اور انکی ارواح مقدسہ سے توسل و استمداد ثابت اور فائدہ مند ہے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جن حضرات سے بحالت حیات اسکے توسل اور برکت حاصل کرتے تھے بعد وفات بھی ان سے توسل اور برکت حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہے اور بحالت حیات و بعد وفات روح ہر حال میں متصرف ہے بدن کو تصرف سے کچھ تعلق نہیں اور متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ولایت کے معنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت موت کے بعد پوری اور کامل ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بھی ثابت ہے کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار اور اسرار کا عکس قبول کرتی ہے جیسے آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ہو اور اس میں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ کے بدن مثالی بھی ہوتے ہیں جن سے وہ ظاہر ہو کر طالبان کی امداد کرتے ہیں اور جو صاحب اسکے منکر ہیں اسکے پاس کوئی دلیل نہیں۔

ایک بزرگ نے مشائخ میں سے فرمایا ہے کہ میں نے اولیاء اللہ میں سے چار ایسے دیکھے ہیں کہ اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں جیسا تصرف زندگی میں کرتے تھے ایک حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و وادریان کے غرض یہ کلام شرح اور بسط کا طالب ہر خدا چاہے تو ایک رسالہ میں تفصیل کے ساتھ اسکا بیان کیا جاویگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کے بیان میں ہے لکھا گیا ہے واللہ اعلم۔

وَأَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 سب پیغمبروں میں افضل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں حضور کی نبوت معجزات

صوفیہ کا تصرف عالم برزخ میں ثابت ہے

سہ ماہیہ میں افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

ظاہرہ اور آیات باہرہ سے ثابت ہے جسکی نقل تو اتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے ایک جنس یا دو جنس سے خاص تھے اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہر جنس میں تھے اور بہت تھے یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور کا تصرف تمام اجزاء عالم میں تھا زمین میں آسمان میں ملک و ملکوت میں جو کمالات تمام انبیاء سابقین کی ذوات مقدسہ میں پائے جاتے تھے حضور کی ذوات عالیہ میں وہ تمام کمالات جمع تھے مع انچہ خوباں ہمہ وارند تو تنہا داری۔ حضور نے فرمایا ہے اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَحْشَ یعنی میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کا سرور ہوں اور یہ کچھ فحش نہیں ہے وُلْدِ آدَمَ اور بنی آدم کا لفظ جنس آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے پس آدم علیہ السلام ہی ہیں داخل ہوئے چنانچہ دوسری حدیث میں فرمایا اَدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِسَانِي یعنی آدم علیہ السلام اور جو انکے سوا ہیں میرے نشان کے نیچے ہونگے بعد حضور کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت اور بزرگی ہے انکے بعد موسیٰ اور عیسیٰ اور نوح علیہم السلام ہیں یہ پانچ رسول لوہو العزم ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انکا مجاہدہ اور صبر سب سے زیادہ ہے اور حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا معجزہ قرآن شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اسکا کلام قدیم ہے قیامت تک دنیا میں باقی ہے اور معجزے اگرچہ ظاہر ہو کر گزر گئے مگر یہ نقل متواتر ثابت ہیں گویا مشاہدہ میں موجود ہیں۔ حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن شریف کے سچے ہونے پر بھی ایک آیت بڑی دلیل ہے کہ اُن قریش کے روبرو جو تمام عرب کے فصاحت و بلاغت میں پیشوا سمجھے جاتے تھے دین اسلام اور حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت دشمن تھے یہ دعویٰ پیش کیا گیا اِنَّ كُنْتُمْ فِي سَاءِ مَا يَحْكُمُكُم بَلَاغَتِمْ اَلَا اَنْتُمْ عَابِدُنَا فَاْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ تَرْجُمہ اگر تم کو اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری جو کچھ شک ہو تو لے آؤ اسکی مانند ایک سورہ۔ اور اُس زمانہ سے اب تک کسی سے اسکا جواب نہ بن آیا اور ملک عرب میں اسوقت عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا اس فن فصاحت کے بڑے بڑے کامل موجود تھے کہ انھوں نے فصاحت کا دعویٰ روئے زمین پر کیا آسمان تک پہنچایا تھا اس لئے اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جنس کا یہ معجزہ عطا کیا کیونکہ اکثر پیغمبروں کو اسی طرح کے معجزے عطا ہوئے ہیں کہ جن چیزوں میں انکے

لگوں کے رہنے والوں کو نہایت درجہ کا کمال اور فخر ہوا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں
 جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقتی میں طب کا بہت چرچا تھا تو انکو اسی قسم کے معجزے عنایت
 ہوئے اسی طرح آپ کے عہد میں عرب کو فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا تو آپ کو قرآن مجید
 کا معجزہ مرحمت ہوا۔ مقام غور ہے کہ وہی کلمات وہی الفاظ وہی حروف اور وہی انکی زبان کہ خاص
 عام اور چھوٹے بڑے سب اسکو جانتے تھے اور ہر وقت اُسے بولتے تھے قرآن مجید کے مقابلہ میں
 ایسے عاجز ہوئے کہ سب کے سب جمع ہو کر ہی ایک آیت قرآن کی مانند بنا کر نہ لاسکے۔ روایت ہے
 کہ جب سورہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے نازل ہوئی تو حضرت بنی صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے اسکو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا جو جب عادت فصحاء عرب کے
 کہ جب کسی کلام کو وہ بہت اچھا سمجھتے تھے اور اسپر انکو فخر ہوتا تھا تو اسکو خانہ کعبہ کے دروازے
 پر لٹکا دیتے تھے تاکہ ہر شخص اسکو دیکھے۔ پس جب ہر شخص کی نظر اس کلام ربانی پر پڑی سب نے
 اسکو دیکھا اور اس کلام کی متانت اور طرز سخن میں غور کی تو حیران رہ گئے اور یہی کہا کہ یہ کلام آدمیوں
 کا نہیں ہے اور ایسا کلام لانا آدمی کی قدرت سے باہر ہے۔ معتزلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن مجید
 کی مانند کلام تالیف کرنے کی وہ لوگ طاقت رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے قرآن مجید
 کے معارضہ اور مقابلہ سے انکی ہمتوں کو پست کر دیا اور لوگوں کو پھیر دیا تھا اور انکے مہنوں پر
 مہر لگا دی تھی اس سبب سے وہ اسکی مانند ایک آیت بھی نہ بنا سکے اور اس میدان میں ایک قدم
 بھی نہ رکھ سکے۔ اصل مقصود تو اس سے بھی حاصل ہے کہ باوجودیکہ انکو ایسی کلام تالیف کرنیکی
 قدرت تھی اور اس بات میں مقابلہ اور معارضہ کرنے کی نہایت حرص رہتے تھے انکی ہمتوں کا اس
 طرح پھیر جانا اور ان سب کی زبانوں کا بالکل بند ہو جانا یہ بھی تو اعجاز ہے مگر معتزلہ کا یہ کلام محض
 یہود اور نژاد ہم ہے۔ انھوں نے کس طرح اور کس دلیل سے جانا کہ وہ قرآن کی مانند کلام بنا
 کی قدرت رکھتے تھے حق یہی ہے کہ کوئی شخص سوائے اللہ تعالیٰ کے ایسے کلام بنانے کی بہتر
 قدرت نہیں رکھتا اور نہ اُسوقت سے اب تک کوئی نہ کوئی تو کچھ نہ کچھ بناتا۔ اس مضمون کو خود قرآن مجید
 انداز سے پکارتا ہے سُو اور غور کرو قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
 عَلَىٰ اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظٰهِرًا

ترجمہ اسے محمد کہدو اگر جمع ہوں آدمی اور جن اسپر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاسکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کریں اس سے زیادہ اور کیا دعویٰ ہوگا۔ اور اگر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک عادتیں اور خصلتیں اور صفتیں اور اخلاق حسنہ دیکھیں اور غور کریں تو یقین کامل ہو جائے کہ آپ کا وجود پاک سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اعجاز ہے اور بالکل حسن و ناز ہے۔ ہر جلوہ جمال تراناز و دیگر است۔ ہر نغمہ کمال تر اساز و دیگر است۔ ہر اعجاز حسن را سخن ہست احتیاج ہر غمزہ ز چشم تو اعجاز دیگر است۔

وَهُوَ مَبْعُوثٌ إِلَىٰ كَافَّةِ الْخَلْقِ أَجْمَعِينَ یعنی حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خلقت کے رسول ہیں آدمیوں کے اور جنات کے اس واسطے آپ رسول الثقلین کہلاتے ہیں آپ کی حضور میں جنوں کا حاضر ہونا اور ایمان لانا اور قرآن شریف کا سننا اور اپنی قوم میں جا کر انکو اسلام کی طرف بلانا یہ سب قرآن شریف میں موجود ہے اکثر علماء کے نزدیک انس و جن کی طرف رسالت کا عام ہونا حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے خاص ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے۔ کہ بلاشبہ جن ہمیشہ سے مکلف ہیں اور مکلف جب ہی ہوتے ہیں کہ پیغمبر سے خود سنیں یا کسی ثقہ صادق القول کے ذریعہ سیر روایت پہنچے۔ اور اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ قرآن شریف میں جنوں کا یہ قول مذکور ہے قَالَ أَنَا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ کہا جنوں نے اسے قوم ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰ کے بعد۔ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ بتاتی ہے حق بات اور سیدھی راہ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ جن پہلے سے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر ایمان رکھتے تھے اور اسپر چلتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جن اور پیغمبروں پر بھی ایمان لاتے تھے مگر انکے روبرو حاضر نہیں ہوتے تھے فقط کتاب اللہ کو سکر اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے عمل کرتے تھے ان پیغمبروں کو بالمشافہ جنوں کی دعوت میسر نہیں ہوتی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انکو خطاب کیا اور دعوت فرمائی یہ امر بالمشافہ جنوں کو دعوت دینا خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ مذہب ضحاک کا ہے اور یہ ظاہر ہے انتہی اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کی رسالت فرشتوں کو بھی شامل ہے پر یہ قول شافعی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں

ہے۔ اوہل تحقیق کے نزدیک آپ کی رسالت عالم کے سب اجزاء اور ٹکڑوں پر اور موجودات کی سب قسموں ہے جادات ہوں یا نباتات یا حیوانات اور موجودات کے کل ذروں اور تمام چھپی ہوئی چیزوں کی مرئی اور کامل کرنے والی ہے کہ پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا سجدہ کرنا اور جانوروں کا آپ کی رسالت پر گواہی دینا اسپر گواہ ہے فرق یہی ہے کہ آدمیوں اور جنوں کو اپنے افعال میں ارادے اور اختیار والا پیدا کیا ہے اسی سبب سے کفر اور گناہ ان سے صادر ہوئے اور باقیوں سے سوار اطاعت اور ایمان کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا جیسا کہ فرشتوں سے اور یہ آیت شریف بھی اسپر دلالت کرتی ہے **وَ مَا رَأَوْا سَلَّمَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اسے رسول مگر واسطے رحمۃ عالمین **وَ مَعَهَا فِي الْبَقَّةِ بِشَخْصِهِ إِلَى السَّمَاءِ تُشْرَىٰ مَا شَاءَ اللَّهُ تَعَالَىٰ حَقٌّ**۔ اور معراج حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاگتے میں جسم مبارک کے ساتھ آسمان تک ہوا اور اُسکے آگے تک جہان تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ سب حق ہی ایمان کا امتحان معراج کی تصدیق میں ہے کہ اتنی تھوڑی دیر میں بیداری کی حالت میں مع جسم اطہر کے عرش اعظم سے اوپر بلکہ لامکان میں اُن خصوصیات اور قصوں کے ساتھ کہ صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں حضور نے سیر فرمائی یہ نسبت عالم الہ اور روحانیات میں محقق ہے کہ وہ زمانہ کی تنگی اور جہت سے باہر ہیں۔ بزرگان اہل کشف اور شہود نے اسکو بیان کیا ہے۔

ایمان یہ ہے کہ اس خبر کو سنتے ہی بے توقف و بے تامل اور بلا دریافت اسکی حقیقت اور کیفیت کا یقین کامل ہو جانا لازم ہے۔ ذرا تردد اور خلجان باقی رہنا نہیں چاہیے پھر اگر اس حالت کا اور اک اور اس مرتبے کی حقیقت حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسپر اطلاع بخشتے تو یہ راستہ دوسرا ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ کی معرفت والے اور درگاہ ربانی کے خاص بندے جو اپنے اوپر سے بشریت کی چادر دور کرنے والے ہیں جانتے ہیں۔ جہاں سچی محبت اور تسلیم اور کامل ایمان ہے وہاں تصور اور تامل کرنے کی فرصت کہاں ہی یہاں تو سننا اور ایمان لانا تو ام یعنی ملے ہوئے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اسی روز سے ہوا کہ انہوں نے بے تامل و توقف معراج کے قصے کی تصدیق کی اور فوراً ایمان لائے اور کتنے مسلمان ایسے شک میں پڑے کہ ان میں سے بعض مرتد ہو گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلے اجدار میں ایمان لانا بھی بغیر طلب مجزہ

معراج شریف بیداری میں تم اندس کے ساتھ ہوا

اور ولیل کے تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور آیات کا نور اس وقت چمک رہا تھا کہ انہوں نے کچھ دریافت نہیں کیا فوراً بے توقف ایمان لے آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا تو حضور نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا جواب دیا جس میں کہلی حقیقت تھی اور بعض کو مجاز کے پردہ میں جواب دیا اور ہر شخص سے اسکی حالت اور استعداد کے مطابق کلام کیا پس معلوم ہوا کہ ہر کوئی اس قابل نہیں ہوتا ہے کہ اس سے حقیقت ظاہر کی جاوے اور بید کہولا جاوے۔ بات تو ایک ہی ہے لیکن عبارت اور لفظوں کا فرق ہے اور حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہی ہے ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ معراج کی کیا خصوصیت ہے بعض کہتے ہیں دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور دل سے جانتا اور ہے والہ اعلم۔

وَأُمَّتُهُ خَيْرٌ الْأُمَّةِ اور حضور نبی علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سب امتوں سے

بہتر ہے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور بہتر ہیں فرمایا قرآن شریف میں كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اے امت محمدیہ تم بہترین امتوں کے ہو جو نبی آدم

میں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمہاری عمر اور بقا کا زمانہ پہلی امتوں کی عمروں اور بقا کے زمانہ کی نسبت ایسا کم رکھتا ہے کہ جیسا عصر سے مغرب تک کا وقت کہ باوجود تھوڑے ہونے وقت کے تم کو

اول سے زیادہ ثواب دینگے اور تمہارے حال کی یہود اور نصاریٰ کے حال کی نسبت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے کئی مزدوروں سے مزدور کا

کرائی ایک مزدور سے صبح سے ظہر کے وقت تک اور ایک قیراط مزدوری کا اس سے مقرر کیا دوسرے سے ظہر سے عصر تک اور اسکے لئے بھی اتنی دیر کا ایک قیراط مقرر کر دیا اور تیسرے سے عصر سے مغرب

تک اور اسکے دو قیراط ٹھہرائے اور ویسے پہلے دونوں بہت غصے ہوئے اور جھگڑنے لگے کہ اس تفادت کا کیا سبب ہے ہم دونوں نے اس بہت زیادہ مزدوری کی اور ایک ایک قیراط پایا اور ہر کو

مٹوری مزدوری پر دو قیراط ملے اسکا کیا باعث۔ اس شخص نے جواب دیا کہ تم سے جو مزدوری ٹھہرائی گئی حوالہ کر دی اور اسکو ہم نے اپنے فضل سے زیادہ دیا کہ ہم کو اپنے مال کا اختیار ہے جیسے تم کو

امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے

دیں۔ سوا اول سے یہود کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے نصار کی طرف اور تیسرے سے اس
 اُمت مرحومہ کی طرف کہ پیدائش میں یہ اُمت متاخر ہے اور کثرت ثواب و فضائل میں مقدم ہے۔
 اس اُمت کے ثواب میں بہت حدیثیں آئی ہیں اور حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائب و غرائب
 و حقائق کہ اس اُمت کے ہر شخص سے ظاہر ہوئے ہیں کسی اُمت سے ظاہر نہیں ہوئے اور اس میں کچھ
 شک و شبہ نہیں۔

وَ شَرِيعَتُهُ اَكْمَلُ الشَّرَائِعِ وَ دِيْنُهُ نَاصِحٌ اِلَّا دِيَانَ

شریعت محمدی پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل اور جامع ہے اور دین محمدی تمام ادیان سابقہ کا
 ناسخ ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہوئے تو حضور کے بعد کوئی دین اور
 شریعت نہیں ہو سکتی اور کسی کمال کا انتظار باقی نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
 بُعِثْتُ لِاَتْمَمِ مَكَامِ الْاَخْلَاقِ یعنی میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی
 تکمیل کروں۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت تھا جیسے توبہ کے واسطے نفسوں کا
 قتل کرنا۔ پاک چیزوں کا حرام ہونا۔ غنیمت کے مال کا منع ہونا۔ خدا بوں کے نازل ہونے میں جلدی
 ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام میں عظمت و ہیبت اور غصہ کی شدت اور اعداؤں پر سختی کرنی اس قدر
 تھی کہ کسی کو ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں تھی۔

اور عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا مظہر تھے اور ان کی شریعت میں فضل و احسان بہت تھا
 کہ قتال و عذاب کا اس میں بالکل حکم نہ تھا بلکہ ان پر قتال حرام تھا۔ انجیل سے یہ فقرات نقل کرتے
 ہیں کہ اگر کوئی تیرے رخسارہ پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسارہ بھی اسکے آگے کر دے اور جو کوئی
 شخص تیرے کپڑے کے کونہ کو ہاتھ سے پکڑے تو وہ کپڑا اسکو ویدے اور جو شخص ایک میل تک
 تسخر کرتا ہو تیرے ساتھ جاوے تو دو میل ساتھ جا اور اسپر احسان کر۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات مقدس میں ہر کمال کے مظاہر کو پورا کر دیا اور جلال و جلال کی صفتوں
 کو اکٹھا کر دیا تھا۔ لطف و قہر کو ملا دیا تھا موسیٰ علیہ السلام کی قوت و صلابت و عدل و شدت کا
 ہی آپ میں کمال تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا لطف و کرم اور فضل و علم بھی آپ میں ہی تھا۔ اسی سبب
 سے ہر چیز میں اعتدال تھا چنانچہ آپ نے فرمایا اِنَّا الصُّوْرُ الْقَنُوْلُ یعنی میں ہمیشہ ہنستا رہتا

ہوں اور عین سنہی میں قتل کرتا ہوں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کا کمال ہے۔

بخندہ نمکین دل بری وجان بخششی + تبارک الدین چہ خندہ و چہ لب است

فوله تعا و یجیل لہم الطیباً و یجیل م علیہم الخبائث اور حلال کرتا

ہے انکے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔ اس آیت شریفہ میں بھی حضور کی عدالت اور توسط شریعت کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات شریفہ اور فضائل جمیلہ اور حضور کی شریعت مطہرہ اور احکام معتدلہ سے اس دین اسلام کے معتدل ہونے کی ساری حقیقت کہل سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

و أصحابہ خبی الامۃ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی ساری امت سے بہتر اور افضل ہیں کہ انکو اللہ تعالیٰ نے حضور کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور اس دین توہم کی تقویت اور اس ملت عظیم کی اعانت ان سے کرائی

وَ کَانُوا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلُهَا وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

یعنی تھے صحابہ لائق صحبت اور امداد حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اہل ان خدمات کے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسقدر حدیثیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور بزرگی میں آئی ہیں کہ انکے دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انکا مرتبہ ساری امت سے زیادہ ہے اور انکا ثواب سب سے بڑا ہے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی جبل احد کی برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے آدھے پیمانہ جو دینے کے برابر نہیں ثواب نہیں مل سکتا اور حدیث خیر القرون قرنی بھی اسی مدعا پر ولالت کرتی ہے اسکے سوا اور بہت سی دلیلیں ہیں اور اس سے زیادہ کہنسی کوئی دلیل ہوگی کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال باکمال ہے واسطہ دیکھا اور خدمت حضور میں حاضر ہے اور قرآن شریف و دیگر احکام دین حضور کی زبان مبارک سے سنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام امر و نہی بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو پہنچائے اور اپنے خطاب کا انکو مخاطب بنایا اور صحابہ نے اپنی جانیں اور اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کیے۔ صحابی وہ مومن ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور دنیا سے باریمان گیا ہو خواہ ایک ہی نظر دیکھا ہو۔ بعض علماء یہ شہرہ بڑھاتے ہیں کہ بہت مدت تک آپ کی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امت سے بہتر ہیں

صحبت میں رہا ہو اور جہاد وغزوات آپ کے ساتھ شریک رہا ہو کم سے کم اس مدت کی حاضری چھ ماہ مقرر کیے ہیں اور جس نے ایک نظر دیکھا ہو یا ایک ساعت آپ کے پاس بیٹھا ہو وہ اُسے صحابی نہیں کہتے بعض علماء کہتے ہیں کہ صحابی تو سب ہیں لیکن خیریت اور فضیلت جو بیان ہوئی اسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے نہ عام۔ اور جمہور علماء کے نزدیک جس نے صرف ایک نظر آپ کو دیکھا ہو وہ بھی اس فضیلت میں شامل ہے اور حقیقت میں آپ کے جمال مبارک کا ایک بار دیکھنا اور ایک ساعت حضور کی مجلس شریف میں بیٹھنا اور حضور سے بات سننی ایسی مفید ہے اور اُس سے وہ مطالب حاصل ہوتے ہیں کہ اوروں کے مدتوں خلوت میں بیٹھنے اور چلے کہنچنے سے بھی نہیں حاصل ہوتے ایسا ہی قوت انقلوب میں مذکور ہے۔

ابو عمر بن عبدالبر نے کہ حدیث کے مشہور علماء میں سے ہیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے تمام اُمت سے افضل ہونے میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہو اُمت میں سے کوئی شخص ایسا پیدا ہو کہ صحابہ کے برابر ہو یا ان سے بہتر ہو دلیل انکی یہ حدیث ہے **مَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا يَدْرِي سَرَى أُمَّتِي** خیر اکم الخیر میری اُمت کی مثال بارش جیسی ہے جس میں یہ معلوم نہیں ہوتا اول بہتر ہے یا آخر اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے صحابہ میں سے عرض کیا ہم حضور پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے حضور کے ہمراہ جہاد کیا ہے کوئی ہم میں سے بھی بہتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نعم یعنی ہاں بہتر ہے وہ قوم کہ تمہارے بعد پیدا ہوگی اور مجھ پر بے دیکھے ایمان لاوے گی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال اسپر ظاہر اور روشن ہے جس نے حضور کو دیکھا لیکن ایمان انہیں کا فاضلتر ہے کہ بے دیکھے آپ پر ایمان لاوینگے اور بعض مفسروں نے **يَوْمِيُونَ بِالْغَيْبِ** کی تفسیر میں یہی معنی لکھے ہیں اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ میں جلتی چنگاری لینے کے برابر مشکل ہوگا جو کوئی اُس وقت سنت پر چلیگا اسکا اجر پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا کسی نے عرض کیا حضور پچاس اُن میں سے ہے یا ہم میں سے فرمایا تم میں سے اور اسی کے مانند ایک اور حدیث میں ہے مگر تحقیق و مختار جو یہی ہے جو جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اور یہ خیریت جو پچھلوں کے واسطے ثابت کی ہے ایک خاص وجہ سے یعنی غیب پر ایمان لانے کے سبب سے ہے اور فضل کلی صحابہ ہی کے واسطے ہے اور فضل جزوی

جیسے طلحہ زبیر و مقداد بن اسود کہ بڑے صحابیوں میں سے تھے رضی اللہ عنہم تمام صحاب کے بیعت کرنے کے وقت بیعت نہیں کی تھی لیکن دوسرے وقت ان سب نے بھی بیعت کی اور آپ کی اطاعت قبول کی اور ہمیشہ آپ کی موافقت میں رہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے پاس بلایا اور تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ پڑھا اور کہا یہ علی بن ابی طالب موجود ہیں میں انکو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دیتا انکو اپنا اختیار ہے اور تم کو بھی اپنا اپنا اختیار ہے اگر کسی کو مجھے اولی سمجھتے ہو اور اس میں مصلحت دیکھتے ہو تو سب سے پہلے میں اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں اس وقت علی مرتضیٰ اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم سب نے کہا کہ ہم آپ کے سوا اور کسی کو اولیٰ اور بہتر نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دین کے کام میں پیشوا کیا اور اپنی حیات کے آخر دن میں نماز میں آپ کو امام بنایا اور باوجودیکہ ہم اہلبیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ارباب مشاورت و اجتہاد تھے آپ نے کسی سے نہ پوچھا۔ اس سبب سے ہم جانتے ہیں کہ آپ لائق اور حقدار امامت ہیں۔ پس حضرت علی مرتضیٰ اور آپ کے ہمراہ جو اصحاب تھے رضی اللہ عنہم سب نے علانیہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اجماع منعقد ہو گیا اور ان صاحبوں نے بیعت کرنے میں اس واسطے تاخیر کی کہ یہ امر عظیم تھا اور ان حضرات کا بیعت کرنے میں تاخیر کرنا بسبب تامل اور اجتہاد کے انعقاد اجماع کے مخالف نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت موجود نہ ہونا اس واسطے تھا کہ آپ تجہیز و تکفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشغول تھے اور اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم میں خلوت اختیار کر لی تھی اور قرآن شریف کے مع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کاموں میں چھ ماہ کا عرصہ منقضی ہو گیا یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ بعد وفات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

اور صحیح یہ ہے کہ اس قدر مدت دراز نہ تھی بلکہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن آپ نے بیعت اور ہمیشہ مطیع و فرمانبردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رہے اور فرض نمازوں و جمعوں و عیدوں میں انکا اقتدار کرتے رہے اور غزوہ بنی حنیفہ میں کہ مسیلمہ کذاب اس میں قتل ہوا آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور غزوہ کی غنیمت میں سے آپ نے ایک لونڈی لی تھی کہ

اس سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہو تو اسکی نینیت میں تصرف جائز نہ ہوتا اور کوئی عاقل نہیں کہیگا کہ علی مرتضیٰ شیر خدا اولیاء اللہ امام اور حق کے دائرہ کے مرکز ہو کر باوجودیکہ انکے ساتھ قرآن تھا اور وہ قرآن کے ساتھ تھے۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے **الْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ** یعنی قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں ایک مدت دراز تک نماز اور سب عبادات بدنی و مالی میں ایسے شخص کی تابعداری کریں کہ اسکی جانب حق نہ ہو بلکہ جانتے ہوں کہ حق اپنی جانب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی شان میں حکم قطعی اپنی خلافت کا سن چکے ہوں اور پھر حق طلب نہ کریں اور مہر سکوت اپنے منہ پر لگا کر تمام عمر اپنے آپ کو اہل باطل اور صحابہ ہوا کی قید میں رکھیں آخر حضرت معاویہ سے کہ انہوں نے آپکے ساتھ ناحق جھگڑا کیا اور خلافت چاہی۔ کیوں لڑے اور کس حجت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا قسم اس پروردگار کی جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ کو اگایا کہ اگر پیغمبر خدا نے مجھے عہد کیا ہوتا یہ حکم فرمایا ہوتا تو ابی تھا کے فرزند کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے زیرین پایہ پر بھی قدم نہ رکھنے دیتا لیکن جبکہ حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے موجود ہوتے اور میرے مرتبہ کے واقف ہونے کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے انکے پیغمبر نماز پڑھی اسوقت مجھکو کچھ بھی نزاع کی مجال نہ ہوئی۔ جب آپ نے دین کے کام میں انکو اختیار کیا اولیٰ اور بہتر ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں بھی انہیں کو اختیار کریں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے یہ سب کام تقیہ سے کئے تھے کہ انکو دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جاوے تو تقیہ سراسر عیب اور نقصان ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ نے حق کو چھوڑ دیا اور سکوت اختیار کیا۔ دشمنوں سے ڈر گئے کہ انکو ہلاک کر دیں گے باوجود اس کمال ادریقین کے کہ آپ نے فرمایا **لَوْ كُتِفَ الْغَطَاءُ مَا انْزَدَّتْ يَقِينًا** اگر پردہ کھل جائے تو جو میرا یقین پہلے سے ہے بدستور ہے کم و بیش نہ ہو اور باوجود آپ کے حضرت بنی اکرم صلی اللہ علیہم السلام سے سن لینے کے کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے اس بشارت کے یہی معنی ہیں کہ میرے بعد وہ میرے جگہ کے احکام جاری کریگا تو ہی تکفل ہوگا اور اس کام کو تو ہی کریگا پھر آپ آدمیوں سے ڈرتے اور

یال کرتے کہ اگر خلافت کی طلب کرونگا تو قتل کیا جاؤنگا رہ گزیہ بات نہیں محض افترا ہے۔
دوسرے یہ تقیہ ایسی جگہ ہوتا ہے کہ صاحب حق ضعیف و مغلوب و عاجز ہو اور یہاں ایسا نہیں ہو حضرت
امیر المومنین علی مرتضیٰ ایسے شجاع و قوی اور خدا تعالیٰ پر پورا توکل کرنے والے اور حضرت خاتون جنت حضور
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ایسی عظمت و بلند مرتبہ والی آپکی زوجہ اور حضرت امام حسن امام
حسین علیہما السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تمام خلقت کے محبوب آپکے فرزند
اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ایسے عالی درجہ والے
موجود اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر چھوٹی زاد و شجاع و وقت موجود
اور تمام نبی ہاشم ہمدتھے جو شوکت و شجاعت میں مشہور تھے پھر ضعف اور بزدلی کا دخل وہاں کس طرح ہو سکتا تھا
روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے توقف کی مدت میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے کہا
کہ آپ ہاتھ نکال لیجئے کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور اہل عالم جان لیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے حضور کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے تاکہ پھر کسی کو مخالفت کی مجال نہ رہے
اور ابی سفیان اموی نے کہا کہ اے عبد مناف کی اولاد لڑو کیا ہو گیا جو تم راضی ہو گئے کہ قریش میں سے کم درجہ کے
گہرانہ والاتم پر والی ہو جاوے یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی تمیم میں سے تھے جو قریش میں زور آور
تھے اور ابی سفیان نے کہا کہ اگر تم خلافت کا دعویٰ کرو تو میں اس قدر سوار و پیادے اکٹھے کر سکتا ہوں کہ تمام
مجلس بھر جاوے اور انکا بھیجا نکال ڈالوں حضرت امیر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انکو منع کیا اور جھڑکا کہ یہ تو اہل اسلام
کے ساتھ دشمنی ہے اور فتنہ و فساد کا سبب ہے۔ اب ناظرین بتلائیں یہاں کب تقیہ کی گنجائش ہے۔ ان شیعہ گروہ
غیروں پر تقیہ کو جائز بلکہ واجب قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خوف کے مقام پر تقیہ کرنا
اور کفر کا اظہار کروینا جائز ہے یہاں تک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں علی مرتضیٰ
و تازکا امام مقرر کیا تھا لیکن خوف و تقیہ نے اسکے اظہار کو منع کیا جبکہ اس قسم کے بیجا احتمال خاص حضور
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں روا رکھتے ہوں پھر اور کسی کی کیا حقیقت ہے۔
بھلا اللہ ما اجهلہم افسد اھتقادہم (خدا انکو خراب کرے کس قدر جاہل ہیں اور کیا بیجا عقیدہ رکھتے ہیں) اگر
نبیاء علیہم السلام حق کو چھپا دیں تو پھر حق کس جگہ ظاہر ہو اور اسکو کون ظاہر کرے۔ نوح علیہ السلام کی
سے زیادہ نافرمان اور شکر اور نمرود و فرعون سے زیادہ کون ظالم و متمرّد ہوگا۔ حضرت نوح و

ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام نے حق کا اظہار کیا پھر تقیہ کا احتمال کہاں رہا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا اور جس چیز پر سارے صحابہ و علماء و مجتہدین اس امت مرحومہ کے اجماع کریں وہ یقیناً حق اور ثابت ہے اس واسطے کہ اگر الگ الگ اجتہاد کریں تو اس میں خطا کا احتمال ہو کہ **الْمُجْتَهِدُ يَخْطِئُ وَيُصِيبُ** آیا ہے لیکن سب کے اجماع اور اتفاق میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ضرور حق و ثواب پر ہوتا ہے۔ اور

اس میں احتمال خطا کا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لَتَكُونَنَّ شَهَادَةً عَلَى النَّاسِ** یعنی اے امت محمدیہ تم کو معتدلت امت اس واسطے بنایا ہوتا کہ تم اور وہی دینے والے ہو اور فرمایا **وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ** یعنی جو کوئی مخالفت کرے رسول کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اسکو حوالہ کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی ہے اور ڈالیں اسکو ووزخ میں اور بری جگہ پہنچا اور فرمایا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **لَنْ يَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ** میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔ بس جس چیز پر سب اجماع کیا وہ حق ہے اور اگر رواد کہا جاوے کہ تمام یا اکثر صحابہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے میں عداً خطا کی اور ظلم کیا اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی اور جان بوجہ کر حق کو چھپایا تو اس کلام کا فساد تمام دین اور ملت میں پہنچے گا اور سرایت کر جاویگا۔ شرع شریف کی مضبوطی بالکل جاتی رہے گی کیونکہ تمام احکام شریعت کے اور خود قرآن شریف تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں اور جب تمہارے گمان کے موجب یہ ظالم فاسق اور حق بات کے چھپانے والے تھے تو اس سے پڑھ کر اور کونسی قہاحت اور خرابی ہے

فعوذ باللہ من الجحیم والنجاة نام فخر الدین مازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کیا اچھی بات کو ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت **لَا يَخْطِئُكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** (یعنی چوٹے نے اپنے گروہ کو کہا نہ ہیں ڈالے تم کو سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں) سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا چوٹا رافضی سے زیادہ عقل رکھتا تھا اس لئے کہ اس سے اور چوٹوں سے کہا کہ اپنے گہروں میں گھس جاؤ کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر تاوانستہ تم کو پار لائے نہ کر ڈالے۔ بس چوٹے نے تجویز یہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو چوٹوں کے

اور انکی خدمت میں رہنے والے ہیں۔ جان بوجہکے چوٹیوں کو پامال کرینگے اور یہ ظلم آپرودار کہینگے۔ چنانچہ اس کے لاکشٹرون کا لفظ کہا۔ اور رضی کہتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق جانکر ویدہ و دانستہ برباد کیا اور آپکی اہلبیت پر ظلم کیا اور اتنا نہ سمجھے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ظلم پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ دین کے سب احکام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھے احادیث رسول اللہ سب انکے ہی سپرد تھی پس ان سب کے اجماع کے برابر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دین اور دنیا کے سب احکام میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کی یہی بڑی دلیل حقانیت خلافت ابو بکر صدیق کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس فضل و کمال اور ہادی اور حقانی ہونے کے حضرت مروج کی متابعت کی اور حضرت سے بیعت کی۔

نقل کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ پہلے تنہا خلافت رضی اللہ عنہم کی خلافت میں نہایت انتظام رہا اور کسی طرح کی مخالفت نہ ہونے پائی اور آپ کی خلافت کے زمانہ میں اس قدر ہرج مرج اور اختلاف واقع ہوا۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انکے عہد میں ہم انکے مددگار تھے اور ہمارے تم مددگار ہو اسکے سوا اور کچھ نہیں۔ فی الواقع عقل سلیم مجبول ہے اس پر کہ اجماع اور اتفاق اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین لاوے اور صحابہ کو راہ راست کا چلنے والا اعتقاد کرے نہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انروزانہ کے پیغمبر اور کل آدمیوں کے اور تمام جنات کے ہادی اور جملہ خلائق کے رسول ہیں انکی امت میں فقط چند صحابی ہدایت اور حق پر ہوں اور سید ہاراستہ انکو ملا ہو اور باقی انکے تمام صحابہ و یار کہ ساری عمر انکی صحبت میں رہے ہوں اور ان سے فضائل و کمالات حاصل کئے ہوں سب کے سب باطل و ظلم و گمراہی پر ہوں اور آپ کے بعد ایسے کام میں خطا کریں اور گمراہی و ظلم کا راستہ لیں کہ جس پر دین کے احکام کا مدار ہو پس اگر ایسا ہے تو اسکا نقصان دین کے سب کاموں میں سے ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خلافت صحیح و درست ہے۔ اور ایک فرقہ زید یہ ہے کہ شیعوں کے

سب فرقوں میں اعدل گنا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے میں مصلحت تھی اس واسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے ابھی دشمنوں کا خون نہیں سوکھا تھا اور انکی عداوت دلوں میں جاگ رہی تھی اگر انکو خلیفہ کرتے دین میں ہرج و مرج واقع ہوتا اور اسلام کے کاموں کا سرانجام اچھی طرح سے نہ ہوتا پس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے سب شعلے فساد کے دب گئے بنیاد اسلام مذہب کی علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ہو اور اس بات پر کہ فضل و اکمل کا خلیفہ کرنا واجب ہے۔ علماء سنت جماعت کو ان دونوں باتوں میں کلام ہے کہتے ہیں یہ امر واجب نہیں کہ خلیفہ اپنے زمانہ میں فضل و اکمل ہو بلکہ ضرور ہے کہ قریش میں سے ہو اور حلال و حرام کا عالم ہو اور دین اسلام کی مصلحتوں سے اور سب امور سے واقف ہو اور پرہیزگاری و عدالت و شہامت و کفایت امامت کے لائق اور خلافت کے مستحق ہونے کو کافی ہیں اور یہ سب صفتیں ابو بکر صدیق میں موجود تھیں چنانچہ روایت آئمہ اور عادات و فضائل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے انکا مصداق ان صفات کا ہونا یقیناً ثابت ہے۔

بعض علماء ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی خلافت پر تنصیب کی تھی لیکن اہل تحقیق کا یہ مذہب ہے کہ ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے لئے عہد و دونوں میں سے کسی کی خلافت کے لئے نص قطعی وارد نہیں ہوئی ہے اگرچہ سنی اور شیعہ دونوں فریق اپنے اپنے مذہب کے موافق نصوص لائے ہیں اور اپنے اپنے مخالفین کی نصوص کے انہوں نے جواب دیئے ہیں کس لئے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص موجود ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع نہ ہوتا اور وہ اس نص کے بیان کرنے سے اور حق کے ظاہر کرنے سے کیوں سکوت کرنے اور خلافت کی طلب کیوں ترک کرتے اور جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو مہاجرین اور انصار میں کیوں گفتگو ہوتی کہ **وَمَا أَمِينٌ وَمِنْكُمْ أَمِينٌ** یعنی انصار نے کہا ہم میں سے ایک امیر اور تم میں سے ایک امیر اور اس وقت رو و بدل کی کیا حاجت تھی جیسا کہ نص خلافت کے قصے میں کتابوں میں مذکور ہے اور اگر کہیں شاید یہ گفتگو حجت کے تحقیق کرنے اور نص کے حاکم کرنے میں ہو جو بعض صحابہ پر پوشیدہ ہو سب اسکو نہ جانتے ہوں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ کہا کہ تم جتنا چاہو مجھے امیر مقرر کرو سب تم سے

یہ جو امر رضی اللہ عنہ واجب تھا میں اسی تو اس شخص اور صحیحہ کی کیا گنجائش تھی چنانچہ نقل کیا گیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر فاروق کا اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کا رجحان حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی امت فرمایا ہے ہاتھ پکڑا اور انصار سے کہا کہ امانت قریش کا حق ہے اور سوائے قریش کے اور کسی کو امانت کا دعویٰ نہیں پہنچا پس تم ان دونوں میں سے جسے چاہو قبول کر لوں اگر اس بات پر نص ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے ہی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد و اجماع سے مقرر ہوئی ہو اور اجماع کے لئے سند چاہیے۔ نص ظنی غیر قطعی اجماع کرنے کے لئے نہ کافی ہے علم اصول فقہ میں اسی طرح ہے۔ دونوں طرف دلیلیں اور گفتگو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اس رسالہ کی وضع سے خارج ہیں اسی واسطے انکو یہاں ترک کیا گیا دیگر کتابوں پر موقوف رکھا واللہ الموفق۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع سے ثابت ہوئی اور انکے حکم کی اطاعت سب مسلمانوں پر واجب ہوئی اور انہوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی اور انکو خلیفہ بنا دیا اور عہد نامہ انکے نام لکھ دیا اور میں سب کو انکی اطاعت کا حکم اور متابعت کا امر فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکے ہاتھ پر بیعت کی اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی اور کہا بایعنا بمن فیہ فان کان عدس (یعنی ہم نے بیعت کی اس شخص کے ہاتھ پر جسکا اسمیں نام ہے اگرچہ اسمیں عمر ہی کا نام لکھا ہو) پس خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی اجماع سے ثابت ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو ان چہ صحابہ میں مشترک کیا عثمان و علی و عبدالرحمن بن یوسف و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور ان سب نے اپنی رائے کو عبدالرحمن بن عوف کی رائے پر منحصر کر دیا اور کہ دیا کہ ہم سب میں سے جسے یہ کہیں وہی خلیفہ ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا پس حضرت علی مرتضیٰ اور کل صحابہ نے (رضی اللہ عنہم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انکے حکم کے مطیع ہوئے اور دین و دنیا کے کاموں میں انکو اپنا امیر و حاکم جانتے رہے۔

پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہوئی انکے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کے حسب صحابہ سے افضل و اکمل تھے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم خلیفہ برحق

و امام مطلق مقرر ہوئے اور ان کے برابر ہیں جگر اور حاکمیت جو مخالفین سے لڑنے کے لیے اور ان کے
استحقاق و امامت میں نہ تھا بلکہ اُس لڑائی و بغاوت کا انتشار اجتہاد میں خطا تھی کہ انہوں نے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاملوں کی سزا میں جلدی چاہی تھی۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی فضیلت انکی خلافت کی ترتیب کے موافق ہی یعنی سب
صحابہ کرام کے فضل ابو بکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد عمر فاروق ہیں رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد
عثمان ذی النورین ہیں رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد علی مرتضیٰ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور فضیلت سے
اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب کی زیادتی مراد ہے۔ علماء نے اس مسئلہ میں یوں لکھا ہے کہ جب
ہم کہیں فلاں اپنے غیر سے فضل ہے تو اس سے اس فلاں کی زیادتی و رجحان اپنے غیر پر لازم
آتا ہے یہ زیادتی تمام صفتوں میں جدا جدا ہو یعنی ہر صفت میں یہ فضل اپنے غیر سے واحد و کامل
ہو یا یہ صورت ہے کہ مجموعہ صفات میں فضل ہو یعنی اس فضل کی صفتوں کا مجموعہ غیر کی صفتوں
کے مجموعہ سے زیادہ ہو اس صورت میں ممکن ہے کہ غیر میں کوئی خاص صفت ایسی ہو جو فضل میں
نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رجحان و زیادتی کسی خاص صفت یا وجہ کے سبب سے ہو۔ اس
مسئلہ میں بھی وجہ خاص اختلاف کا باعث ہے کس لئے کہ عرف عام میں علم کی زیادتی اور نسب کی بزرگی اور
ملکات نفسانیہ کی قوت جیسے شجاعت سخاوت شہامت وغیرہ کو فضیلت کہتے ہیں اور ثواب عند اللہ ان
صفتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ثواب کی کثرت کے اسباب وہ فضائل ہیں کہ ان کے منافع
اور نتیجے دین اسلام کو پہنچان اور مفید ہوں جیسے ایمان لانے میں سبقت اور دین کی نصرت اور اسلام
کی تقویت اور مسلمانوں کی امداد اور نیکیوں کی کثرت اور خلقت کو ہدایت کرنی اور کفار سے دور رہنا اور
ان پر سختی کرنی وغیرہ اور یہ صفتیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں بہت تھیں۔ کتب سیر سے
معلوم ہوا کہ آپ جب سے ایمان لائے ہیں اسلام کی دعوت اور دین کی نصرت ہمیشہ آپ کا کام رہا ہے
عثمان و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عبدالرحمن بن عوف و عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کہ بڑے صحابیوں میں سے ہیں اور مہاجرین کے سردار ہیں آپ ہی ہاتھ پر ایمان لائے ہیں اور آپ ہمیشہ
دین کی ترقی اور کفار کے جہگز سے دور کرنے میں مصروف رہے ہیں حضرت بنی علی اللہ علیہم و آلہم کی
حیات شریفین میں بھی اور حضور کی وفات کے بعد بھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ

میں سے پہلے ہی کہہ دیا کہ رسول کی خبری کی ابتداء میں کہ کسی کو اس وقت شعائر دین کے بر ملا ظاہر کر رہی تھی مجال
 میں کہ وہ یہاں پہنچا اور مسجد بنائی تھی اور اس میں آپ نماز و قرآن پڑھا کرتے تھے اور لڑکے جو ان اور عورتیں
 کے پاس آ کر باہر نکلتی ہوتی تھیں اور قرآن سننتی تھیں۔

اب یہ مطلب لکھا گیا تو اب اسکے متعلق تقریر شروع کرتے ہیں اور اس باب میں جو علماء کے اقوال
 آئے ہیں انکو نقل کرتے ہیں جو اہل سنت جماعت کا مذہب تو اسی ترتیب کے موافق ہے جو بیان کی گئی
 اور امام ایک و بعض متقدمین اہل سنت سے عثمان اور علی رضی اللہ عنہما میں تو فقہ روایت کیا گیا ہے امام ایک
 رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تمام امت میں افضل کون ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہا ابو بکر
 پھر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پھر کہا گیا کہ علی و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بابت کیا کہتے ہو کہا میں نے
 وہی کے شواہد سے بہت پوچھا ایسا کوئی نہ ملا کہ ایک کو دوسرے پر تفضیل دیتا ہو اور امام الحرمین کا
 مذہب بھی ان دونوں کے باب میں توقف ہے اور ابو بکر بن خزیمہ سے عثمان ذی النورین پر علی مرتضیٰ
 کی تفضیل نقل کی گئی ہے اور جو اس پر اصول میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ سے بھی علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تفضیل
 عثمان رضی اللہ عنہ پر منقول ہے اور ابن خزیمہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور شیخ بن عمر بن صلاح کے
 مقدمہ میں بھی مذکور ہے کہ اہل کوفہ کا مذہب علی کی تقدیم عثمان پر ہے رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری بھی ایسی
 قائل ہیں اور علماء حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے تقدیم علی کو عثمان پر بیان کی ہے رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما۔ اور امام محی الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت عثمان رضی اللہ عنہ
 کی تقدیم کے حضرت علی پر قائل نہیں ہیں مگر صحیح اور مشہور یہی قول ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں
 علی رضی اللہ عنہ پر۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب صحابہ سے افضل
 حق ابو بکر ہیں انکے بعد عمر رضی اللہ عنہما باجماع اہل سنت۔ اور خطابی نے کہ علماء اہل سنت میں سے
 کس کے باشندے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر نقل کی ہے اور ابو بکر بن خزیمہ
 ایسی طرف مائل ہے۔ اور قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے علی رضی اللہ عنہ
 تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر کی ہے سفیان ثوری بھی انہیں میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آخر عمر میں
 ان نے اس سے رجوع کیا ہے۔ واللہ اعلم اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو بکر کے
 بعد اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم جمعین میں سے ابو بکر

و عمر رضی اللہ عنہا کی تفضیل و تقدیم میں اختلاف نہیں کیا بلکہ سب صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 عمر رضی اللہ عنہ پر تفضیل و تقدیم کیساں ہے اختلاف ہو تو عثمان رضی اللہ عنہ کی تفضیل و تقدیم
 حاصل یہ کہ اہل سنت کے مشائخ اسپر ہیں کہ تمام صحابہ پر ابو بکر و عمر کو تقدیم ہو رضی اللہ عنہم اور تفضیل
 ترتیب ہو اور میں اختلاف نہیں ہے لیکن بعض فقہار و محدثین نے چنانچہ قصیدہ امامیہ کی تفسیر میں نقل
 کیا ہے کہ چاروں خلفاء کی بزرگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بعد ہے اور ابن عباس نے کہا کہ
 کے مشہور علماء میں سے ہیں استیعاب میں بیان کیا کہ پہلوں نے اختلاف کیا ہے ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما
 کی تفضیل میں اور سلمان و ابو ذر و مقداد و خباب و جابر و ابو سعید خدری و زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے زیادہ
 ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب سے اول ایمان لائے ہیں لیکن ابو طالب کے خوف سے انہوں نے چھپایا اور
 کہا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت طلحی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تفضیل دیتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر کا یہ کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے اس واسطے کہ روایت شاذ مخالف قول جمہور
 کے معتبر نہیں ہوتی جمہور اماموں نے اس باب میں اجماع نقل کیا ہے (جیسا کہ گذرا) اور اسی طرح علی
 مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں اور روایتیں بھی آئی ہیں جیسا کہ خطابی نے بعض مشائخ رضی اللہ عنہم سے
 نقل کیا ہے کہ ابو بکر خَیْبٌ مِنْ عَلِيٍّ وَ عَلِيٌّ اَفْضَلُ مِنْ ابْنِ بَكْرٍ یعنی ابو بکر بہتر ہیں علی سے اور علی
 افضل ہیں ابو بکر سے (رضی اللہ عنہما) اور امام تاج الدین سبکی نے کہ شافعیہ کے بڑے علماء میں سے
 ہیں طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ وہ حسنین رضی اللہ عنہم کے لئے انہوں کو تفضیل دیتے
 ہیں اس لئے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکرے کے نکرے ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی
 نے کتاب خصائص میں امام طلم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابو بکر
 چاروں خلفاء سے بالاتفاق افضل ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے مَا اَفْضَلُ عَلِيٍّ مِنْ
 مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَحَدًا (میں فضیلت نہیں دیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 وآلہ وسلم کے نکرے پر کسی کو) یہ سب روایتیں بھی اصل مقصود کو کچھ ضرور نہیں پہنچاتیں اور ہمارے
 کے منافی نہیں ہیں جیسا کہ اوپر لکھ چکے کہ یہ ایک خاص وجہ کی فضیلت ہے اور وہ فضیلت اور
 سے ہے اور یہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ اور یہ فضائل ذات جو نقل کئے گئے ہیں کثرت ثواب اور
 اہل اسلام کا نفع ان سے نہیں ہے بلکہ خیرت نسب اور چوبہروا ہے اور بیشک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ کہہ کر کہ اولاد آپ کی ذات مبارک کے ٹکڑے ہیں اور آپ کے جگر پارہ ہیں اور جو شرف و شان انہیں ہے
 لیکن میں نہیں ہے یہاں کس کو انکار کی مجال ہے۔ لیکن باوجود انکی اس بزرگی کے شیخین کا ثواب بہت
 ہے اور نفع انکا اسلام اور اہل اسلام کو عظیم اور بہت بڑا ہی اور خطابی نے جو اپنے بعض مشائخ سے
 نقل کیا ہے ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر معلوم نہیں اس سے اسکا مقصود
 کیا ہے خیریت و فضیلت سے کیا مراد ہے اگر خیریت اور وجہ سے ہے اور فضیلت اور وجہ سے تو اثرہ
 خلاف سے باہر اور محل نزاع سے الگ ہے اور جو خیریت سے مراد کثرت ثواب اور فضیلت سے
 مقصود شرف ذات و کرامت نسب وغیرہ ہو تو یہ بات مقصود کے خلاف نہیں ہے اور اگر کچھ اور غرض
 ہے تو جھک بیان نہ کرے کیا معلوم حقیقت حال کیا ہے واللہ اعلم۔

اب رہی یہ بات کہ ترتیب فضیلت کا مسئلہ یقینی ہے کہ قطعی دلیل اس پر قائم ہے حسب طرح ترتیب
 خلافت یقینی ہو یا ظنی ہے کہ دلیل اسکی نشان اور قرینے ہیں جس سے اولویت ثابت ہوتی ہو بعض
 ہیں کہ قطعی ہے اور اکثر محققوں کے نزدیک مختار یہی ہو کہ ظنی ہے۔ امام الحرمین ارشاد میں علی الترتیب
 خلافت ثابت کرنے کے بعد یہ سوال لکھا ہے کہ بعض علماء صحابہ کو بعض پر تفضیل دیتے ہیں یا اس
 باب میں اعراض و سکوت کرتے ہیں پھر جواب دیا ہے کہ تفضیل کے مسئلہ کی بنا اس پر ہے کہ امامت
 مفضول کی باوجود فضل کے جائز نہیں ہے اہل سنت جماعت کے سلف اس پر ہیں کہ امام کا فضل ہونا بہتر
 ہے لیکن اگر فضل کے مقرر کرنے میں بوج و مرجع واقع ہوتا ہو یا کوئی فتنہ و فساد برپا ہوتا ہو تو مفضول کو
 امام بناوین بشرطیکہ امامت کے لائق ہو اور امامت کی شرائط اس میں پائی جاتی ہوں۔ مثلاً قریشی ہونا
 حرام طلال سے واقف ہونا۔ دین اسلام کے کاموں کی مصلحتوں کو جاننا۔ عادل پرہیزگار ہونا۔ پھر
 میرے نزدیک یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے کہ فضل ہی خلیفہ بنایا جاوے۔ اس امامت گیری کے سوا ہی ہمیں
 کلام کیا ہے میں نماز کی امامت میں کہ امامت صغریٰ ہو اخبار آحاد ہی ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ
 کہ وسلم نے فرمایا **لَا تَقْرَأُ كِتَابًا مِنْ بَيْتِي إِلَّا كُنْتُمْ مِنْ بَيْتِي** یعنی نماز میں وہ امام ہو کہ حاضرین سے قرآن اچھا پڑھتا ہو اور
 فقہ حاضرین سے زیادہ جانتا ہو اس کلم قطعی نہیں نکلتا پس صحیح یہ ہے کہ امامت و خلافت میں ^{فضیلت}
 طہ نہیں ہے اور امامت افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے
 کہ بعض اماموں کی تفضیل بعض پر ثابت کرتی ہو کہ عقل تو اسکو در یافت کر ہی نہیں سکتی

اور احادیث فضائل جوان حضرات کے اوصاف میں وارد ہیں وہاں آپس میں ملنا نہ ملتا ہے اور ان کی
 سکوت کے سوا اور کونسا راستہ ہو لیکن ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ بعد سہل نہ ہل سکے بلکہ
 وسلم کے ابو بکر رضی اللہ عنہ سب خلقت میں افضل ہیں ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب سے
 اور عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے باپ میں ظن متعارض ہیں۔ پھر کہا امام الحرمین نے کہ علی
 سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سب میں بہتر بعد رسول اللہ رضی اللہ عنہ
 کے ابو بکر اور عمر ہیں اور ان کے بعد خدا جانتا ہے کہ کون بہتر ہے انتہی۔ یہاں تک امام الحرمین
 کا ترجمہ ہی اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ہے کہ جو ہم نے اپنے واسطے اختیار کیا ہے اور ہم
 علاوہ ہو کر کہلے تہی کی طرف چلے ہیں انتہی۔ اور بعض فقہاء و محدثین مدینہ طیبہ کے رہنے والے
 قصیدہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ شیخ احمد زروق نے کہا کہ ملک مغرب کے بڑے فقہ
 شیخ اکبر ہیں عقیدہ کی شرح میں کہا ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ تفصیل قطعی ہے یا ظنی۔
 کہتا ہے قطعی ہے۔ اور باطلانی کہتا ہے ظنی ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ تفصیل ظاہر
 باطن دونوں میں ہے یا نرمی ظاہر میں اور یہاں دونوں قول ہیں انتہی اور قاضی عقیلی
 موافق میں اول علی رضی اللہ عنہ کے وہ سب فضائل بیان کئے ہیں جن سے شیعہ آپ کی افضلیت
 استدلال کرتے ہیں بعد اسکے ان سب کا جواب دیا ہے اور افضلیت کو کثرت ثواب پر عمل
 جانتا چاہیے کہ یہ مسئلہ افضلیت کا ایسا ہے کہ جرم اور یقین کی تو اس میں امید ہی نہ رکھنی چاہئے
 عقل ایسی افضلیت کو کہ اسکے معنی کثرت ثواب میں نہیں دریافت کر سکتی ہیں سوائے نقل کے
 سند نہیں ہو سکتی اور یہ مسئلہ عمل کے متعلق بھی نہیں ہے کہ نرا ظن عمل کرنے کو کافی ہو جائے بلکہ
 اعتقاد کے متعلق ہے کہ اس میں جرم و یقین درکار ہے اور نصوص جو طرفین سے مذکور ہوئی ہیں
 آپس میں متعارض ہیں۔ دلالت قطعی ان سے نہیں نکلتی غایت یہ کہ وہ ثواب کے اسباب کی کثرت
 پر دلالت کرتی ہیں اور ثواب کے سببوں کی زیادتی ثواب کی کثرت کا باعث قطعاً نہیں ہے
 اس لئے کہ اجر اور ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہونے کسی سبب پر اگر وہ چاہے مگر
 کو زیادہ ثواب دے اور فرمانبردار کو اس سے منظور دے جیسا کہ اوپر عقائد میں گزر چکا ہے
 امامت اگرچہ دلیل قطعی سے ثابت ہے لیکن اس سے افضلیت کا قطعی ہونا لازم نہیں ہے۔

کہ اول سنت و جماعت کے نزدیک باوجود فاضل کے تفضیل کی آیت
 میں تفضیل کے کل معنی کو کہنے پر پایا کہ سب سے تفضل ابو بکر صدیق ہیں ان کے
 بعد عثمان ذی النورین ان کے بعد علی مرتضیٰ حسن ہیں رضی اللہ عنہم اور ہمارا
 مقصد یہ تھا کہ ہم اعتقاد کریں اگر یہ تقدیر میں اس پر دلیل نہ رکھتے تو ہم کو اس کا حکم نہ کرتے اور
 رضایق نہ کرتے پس اس مسئلے میں ہم ان کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے رستے پر چلتے ہیں اور
 سنت امر کی خدا تعالیٰ کے علم پر سوچتے ہیں اور وادی کہ اصول فقہ اور کلام کا بہت بڑا عالم ہے
 ہے کہ مراد تفضیل سے یہ ہے کہ ایک شخص میں کوئی صفت اور بزرگی ایسی ہو کہ وہ اوروں میں
 ہو جیسے کہ عالم علم کی صفت میں جاہل سے افضل ہے کہ اس میں یہ صفت موجود ہے اور جاہل میں نہیں
 ہے یا ہو مگر نقصان کے ساتھ اور اسی میں کمال کے ساتھ ہو۔ پر اصل تفضیل مشترک ہو جیسے
 ایک شخص اوروں سے زیادہ علم رکھتا ہو اور علم سب کو ہو مگر اوروں کو اتنا نہ ہو جیسا کہ کمال اس کو حاصل ہو
 وہ اوروں کو نہیں ہے اگرچہ اصل علم سب میں مشترک ہے پس اس معنی کو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم
 میں تفضیل قطعی ثابت نہیں ہو سکتی کہ جو تفضیل ایک میں ہے دوسرا بھی شریک ہے اور جو اس میں شریک
 نہیں ہے تو اسکے لئے اور تفضیل خاص ہے جیسے یہ شریک نہیں ہے یہ تفضیل اسکے مقابلے میں
 بڑی اور تفضیلوں کی کثرت پر بھی ترجیح نہیں دے سکتے اس لئے کہ بعضی ایک تفضیل شرف اور نفاست
 کی نزاع کسی سبب سے دوسری سو تفضیلوں پر راجع ہو سکتی ہے جیسا کہ ایک جو قیمت میں لاکھ درہم سے
 زیادہ ہو سکتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ بعضی ایک تفضیل دوسرے کو والد قلعے کے ہاں اتنا بڑا ثواب سے کہ
 تفضیل سے تضاد والوں کو نہ ملے پس افضلیت کے معنی کثرت و ثواب سے بجا رہیں تو اس پر بھی قطعاً یقین
 نہیں ہو سکتا۔ ہر وقت اور اس کی شرح کا ترجمہ ہے اور مولانا سعد الدین تفتازانی نے عقائد نسفی کی شرح
 میں کہا ہے کہ ہم نے علماء سلف کو اسی پر پایا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اسکے پاس دلیل نہ ہوتی تو ہم کو حکم نہ کرتے
 تھے۔ پس دونوں طرفوں کی متعارض پائی ہیں اور یہ مسئلہ اعمال کے متعلق بھی نہیں ہے کہ ہمیں
 بت کرنا کسی واجب العمل پر۔ اسی۔ اور محقق دوانی نے بھی عقائد عضد یہ کی شرح میں ایسا ہی کہا ہے
 میں مگر کسی سے صحیحی عرف میں کہ شیعوں کا وہ نہایت سختی سے کیا ہے اور تشدد و تعصب مذہب
 پر ہو رہا ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعری اس پر ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں صحابی رضی اللہ عنہم قطعی ہے

اور ابو بکر باقلانی سے کہا ہے کہ لٹنی ہو اور ارشاد میں امام الحرمین سے بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں صاحب مفہم شرح صحیح مسلم نے بھی غیبت ہی پر حرم کیا ہے اور استیعاب میں ابن عبد البر نے عبد الرزاق سے نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا ہے اگر کوئی کہے عمر ابو بکر سے افضل ہے رضی اللہ عنہما اسے سزا دے کر لوں اور نہ اسپر سختی کروں اور جو یوں کہے کہ علی ابو بکر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما اسپر بھی سختی نہ کروں اگر شخصین کی بزرگی کا اقرار کرے اور ان سے محبت رکھے اور انکی مدح و ثنا جسکے یہ لائق ہیں کرتے پھر عبد الرزاق نے کہا کہ یہ کلام معمر کا میں نے وکیع سے کہا وہ بھی خوش ہوا اور اس نے آفرین کی تسبیح ابن حجر کہتا ہے کہ منع نہ کرنا اور سختی نہ کرنی اس سبب ہے کہ تفضیل حد کو رطبی ہے اور قطعی نہیں ہے اور اگر کہیں کہ اس تفضیل کی ظنیت انہیں کے نزدیک ہے جو اجماع کا دعویٰ نہیں کرتے اور مخالف اجماع کے جو روایات شافہ نقل کی ہیں ان پر کان رکھتے ہیں اور اگر اجماع کا دعویٰ کریں کہ راجح و مختار ہے تو ظنیت کا حکم کیونکر درست ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے اسکا یہ جواب ہے کہ اصول فقہ میں مقرر ہو چکا ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کی سبب میں دلیل قطعی نہیں ہیں۔ بلکہ وہی قسم ہی جس میں ذرا سا بھی اختلاف نہ ہو اور جس میں اختلاف ہو اگرچہ شاذ و نادر ہو وہ قسم قطعییت سے محل جاتی ہو اور ظنی ہو جاتی ہے اگرچہ اتنا حقوڑا اختلاف بسبب شاذ و نادر ہونے کے اجماع کے انعقاد کو مانع نہیں ہو سکتا لیکن بالکل بے تاثیر بھی نہیں ہوتا اور اسکو قطعییت کے درجے سے گرا دیتا ہے لیکن یہاں اسی قسم کا اجماع ہے انسی لئے یہ افضلیت ظنی ہے اور اہل اجماع نے بھی اسکو قطعی نہیں کہا جیسا کہ اماموں کے کلام سے اشارتاً سمجھا جاتا ہے پس ظنیت کی صفت اس مسئلہ میں معلوم ہے نہ یہ کہ بعد اجماع کے حکم کو فارض ہوئی ہے اور اس سے قطعاً ہی مستند ہو سکتا ہے کہ جب خلاف اس ترتیب سے قطعی ثابت ہو چکی تو اس سے ظاہر ہوا کہ افضلیت بھی اسی طرح ہوگی لیکن ترتیب خلافت سے افضلیت کی ترتیب کا قطعی اور یقینی ہونا لازم نہیں آتا۔ نہیں ویکھے جو کہ ظن ظنی عند کی خلافت کے احق ہونے پر اہل سنت و جماعت اجماع رکھتے ہیں اور انکی افضلیت میں اختلاف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت کی قطعییت سے افضلیت کی قطعییت لازم نہیں آتی اور افضلیت کی قطعییت سے خلافت کی ظنیت بھی لازم نہیں ہوتی۔ اور افضل کی حقیقت وہی ہے جو اہل سنت کے پاس ہے اور اسپر بجز وہی یا خبر کے اطلاع ممکن نہیں ہے اور انکی مدح و ثنا میں بھی

اور وہی ہیں اور وہ اپنی ہی متعارض ہیں پس لوگوں نے وہی اترنے کا زمانہ پایا ہے اور
 علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور قرینوں اور نشا ثوں سے دریافت کیا ہے وہ اس
 حال کے جو سوانا تھے پہلوں کی نظر صرف دلیل و مفہوم کلام پر پڑتی ہے اور کلام متعارض
 ہے پس انکی دلیل پھر پہلوں کی تقلید اور اتباع کے اور انکے ساتھ حسن ظن کے اور کیا ہے
 لیکن ان احادیث اور اخبار پر کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و کمالات میں وار ہوئی ہیں نظر
 کرنے سے سوائے توفیق کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ترجمہ و حاصل صواعق محرقہ کا ہے
 اور سوائے اسکے جو موافق کی شرح سے اوپر نقل کیا ہے وہ بھی تمام صواعق میں مذکور ہے
 اور یہ بھی صواعق میں ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے افضلیت کا
 مسئلہ ظنی ہے لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ قطعی ہے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت
 کا از روئے جزم و یقین کہو معتقد ہونا چاہیے اس واسطے کہ علی مرتضیٰ اور سب اماموں علیہم السلام
 کی عصمت کے وہ معتقد ہیں اور معصوم کی خبر یا اتفاق یعنی سب کے نزدیک قطع اور یقین کا فائدہ
 دیتی ہے اس لئے کہ معصوم پر جھوٹ جائز نہیں ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہوا ہے
 بلکہ تو اتر کے درجے کو پہنچا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت و سلطنت کے زمانہ میں
 علی نے ویرا اپنے شیعوں کے روبرو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مدح و ثنا اور انکی افضلیت کا بیان کرتے
 ہوئے۔ فریبی نے انہی سے زیادہ آدمیوں سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور صحیح بخاری
 میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم ابوبکر ثم عمر ثم اخی اخی آپ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ
 رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم آئت فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں مسلمانوں میں سے اور یہ حدیث متعدد
 صحیح سندوں سے مستحکم کو پہنچی ہے اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بخیر نہیں ہے
 کہ ایک گروہ آدمیوں کا جو انہیں تفضیل دیتے ہیں یہ لوگ مفتری ہیں بخیر وہ بخیر ہوا ہے اور
 بخیر نہیں ہے جو ہاویگا تو میں انکو افترا کی سزا دوں گا اور مالک نے امام جعفر صادق سے اور
 انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ علی مرتضیٰ عمر رضی اللہ عنہما کی خطاب پھر ان سے رضی اللہ عنہم
 میں علی مرتضیٰ اس وقت ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ نے کبڑے ہوئے اور فرمایا کہ پھر

جو چادر پیٹے ہوئے پڑا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا پیارا اور محبوب ہے کسی کو نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے نامہ اعمال سمیت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر چکا اور وار قطنی سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمام امت سے افضل اعتقاد کرتا تھا۔ ایک جماعت نے ملا جو اسکی مخالفت بھی اور ان کی مخالفت نہ کرنے کی سخت رنج ہوا اور علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس کو گلین دیکھ کر غمگینہ میں سے لے کر اس سے فرمایا کہ اسے ابا جحیفہ اس رنجش کا کیا سبب ہے اس نے حال عرض کیا آپ نے فرمایا اسے ابا جحیفہ خبر دیتا ہوں میں تجھ کو کہ اس امت کا کون بہتر ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں ان کے بعد عمر ہیں رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ نے کہا کہ میں نے عہد کیا اللہ تعالیٰ سے کہ اس حدیث کو میں نے علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بالمشافہہ سنی ہے ہرگز نہیں چھپانے کا اور یہ بھی ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں تمہیر فرمایا کہ ابو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہما اور اسی کی مانند اور حدیثیں اور خبریں بہت ہیں کہ مشہور ہیں بلکہ تواتر کے درجے کو یہودی بھی اور شیعہ کہتے ہیں یہ سب اور جو کچھ اسباب ہیں آئینہ اور اولیہ بیت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوا ہے صرف تقیہ اور خوف کے سبب تھا یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف انھوں نے صرف دشمنوں اور اپنی جان کے خوف سے کی تھی اگر ایسا نہ کرتے تو وہ رہ نہ سکتے اور سلامتی ان پر سے اٹھ جاتی اور ان کے دلوں میں امن نہ سکتا برخلاف تھا لیکن یہ کلام ان کا عقل سے نہایت دور اور کمال تکبر ہے اس سے لازم آتا ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہ خدا تعالیٰ کے شیر اور حق کے دائرے کے مرکز تھے ایسے زین و مطلوب و مقصود ہوتے کہ حق کے اظہار اور باطل کے رد کرنے سے عاجز رہے اور اپنی زندگی ہمیشہ خوف و ہراس میں گذارنے سوچنے کی جگہ نہ ہے جبکہ اللہ ان کا لقب ہو اور لا ینحرفون لو ملہ لا یشہر ان کی صفت ہو اور علی مع القرآن و قرآن مع علی ان کی منقبت ہو پھر خوف و عجز اور حق کے چھپانے کا کیا عمل ہے اور اور تواتر کے درجے کو یہودی ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ حق ظاہر کرنے اور نصیحت قائم کرنے میں کسی کا خوف ڈر نہیں رکھتے تھے ابو جحیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ علی رضی اللہ عنہ پر خلعت کتنی ہوتی اور کتنی سے ستھر رہی اس کا کیا سبب ہے کہا کہ آپ حق بات کے اظہار کرنے میں کسی کی تار تار کا حساب کرتے تھے اور کسی سے براہ منت و سہالائت نہ رکھتے تھے اور ہر شے علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے

اور وہ اپنے اور ذرا دہلا دیا اور ان کے ملاپ نہیں ہوتا۔ اور عالم تھے اور عالم کسی کی خوشامد
 نہیں کرتے اور صلاح اور بہادر تھے اور بہادر کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا اور شریف تھے اور شریف
 کو کسی کا پروا نہیں ہوتی اس سبب سے آپ لوگوں سے دور و متفرق رہے اور آپ سے لوگوں نے
 نفرت کی اور جمع ہوئے۔ پس اپنے شخص نے کس طرح تقیہ کیا اور شیخین کے زلمے میں فقط ظاہر
 میں تقیہ ہوتا تو ممکن تھا لیکن خاص اپنی خلافت و شوکت کے زمانے میں اور عین خلوت میں اور خاص
 اپنے دوستوں اور تابعداروں سے اس قسم کا بیان کرنا کیونکر تقیہ پر محمول ہو سکتا ہے اور یہ تقیہ کے ساتھ
 کس طرح جمع ہو سکتا ہے اور امام محمد باقر اور آپ کے آبا اور اولاد رضی اللہ عنہم سے ہر وقت میں اس قسم کو
 سوالات ہوتے ہیں کہ آپ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے باب میں کیا کہتے ہیں۔ سب نے یہی فرمایا کہ ہم
 انکو نہایت دوست رکھتے ہیں اور جب یہ پوچھا گیا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ یہ کلام تقیہ سے کہتے
 ہیں اور آپ کے دل میں اسکا خلاف ہے تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا کہ خوف زندوں سے ہوتا ہے
 نہ مردوں سے اور امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان کو سب برا
 کہتے چلے آئے ہیں اور وہ اپنے وقت کا امیر و پادشاہ تھا اگر ہم تقیہ کرتے تو اسکی بھی تعریف کرتے۔ پس جبکہ
 امام باقر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے اور آپ علی رضی اللہ عنہ کے حکم کے ٹکڑے ہیں تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
 کا کیا حال ہوگا کہ تفریق و شجاعت اور عدل کی کثرت اور جنگ کی شدت میں وہ کل کے کل ہیں اگر ان
 کو خوف و تقیہ ہوتا تو امیر سعاد و پادری مروان سے بڑھاپیت اور اسلام کے زمانے میں باوجود
 ان کی اس قدر کثرت کے اور باغیوں اور خارجیوں سے کیوں لڑتے اور ان لڑائیوں میں اپنے حرب
 و قتال و اظہار حق و تائید دین کی ایسی داد دی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی اور یہ سب
 کوشش فقط اسی واسطے تھی کہ دین کا الاعتدال کے دائرے سے باہر نہ ہونے پاوے جب حق کا تغیر
 اور دین کے کام میں سستی دیکھی اسی وقت رد و ابطال کو اپنے اوپر واجب سمجھا اور اپنے اپنی بعض
 شیخ کو جنہوں نے اس مقدمے میں افراط و تفریط اور غلو کیا تھا نکلوا دیا چنانچہ عبد اللہ ابن
 سہل کو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں وہاں آنے نہ پاوے۔
 لہذا ابن عباس ایسی تھی کہ اس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام ظاہر کیا تھا اور حقیقت میں منافق تھا

اور رافضیوں کا پیشوا اور اس مذہب کا موجدی مخالف صحابہ رضی اللہ عنہم کو خدا کہتا تھا آپ نے اُسکے بعض کلمات سن لئے تھے اس لئے اسے یہ سزا مل گئی اور نکلوا دیا اور ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مدح و ثنا میں آپ نے ایسے کلمات کہے ہیں کہ ان پر اطلاع ہونے کے بعد کسی طعن کرنے والے کو دم مارنے کی مجال نہیں رہی علمائے سنت و جماعت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت بلکہ اس افضلیت کی قطعیت میں قطعی کہیں تو استدلال کو کافی اور دافی ہوں اور بعضے شیعہ جو انصاف و اعتدال کے رستے سے ہٹ گئے ہیں اُسکا یہی سبب ہے کہ عبدالرزاق نے کہ صاحب روایت و عالم حدیث ہے کہا ہے کہ رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اس لئے کرتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر اُنکی تفضیل آپ کے اس سے زیادہ اور کیا بڑا گناہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو ہم دوست رکھیں اور اُنکی مخالفت کریں یہ ترجمہ ابن حجر کے کلام کا ہے اگر انصاف کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہو جاوے کہ اور کتابوں میں تفضیل سے بیان کم ہوا ہے چاہیے کہ اول سے آخر تک دیکھ کر اور سب کو ملا کر غور کریں اور اضطرار اور جلدی نہ کریں واللہ اعلم و منہ التوفیق۔ فَبَاقِي الْعَشْرَةِ الْمُبَشَّرَةِ بِعِدَّةٍ مِنْ خَلِيفَتَيْهِ

باقی عشرہ مبشرہ کو بزرگی ہے اور عشرہ مبشرہ ان دس صحابوں کا نام ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو بہشت کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن ابوقحافہ فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و عبيدة بن الجراح فی الجنة اور یہ وہی آدمی

امت میں سے بہتر و افضل اور قریش کے سردار ہیں اور ہاجرہ کے پیشوا عدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے دار ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین اور انکی بزرگیاں اور کوششیں دین اسلام میں انکو ہیں کہ اوروں کی نہیں ہیں اور ان کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن یہ بشارت کی قطعیت خاص انہیں نہیں ہے بلکہ ان کے سوا اوروں کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور زین العابدین و جابر بن عبد اللہ و حمزہ و عباس و سلمان و صہیب و عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم دس صحابہ ہیں جنکو بھی بشارت دی گئی ہے

رضی اللہ عنہم ذکر عشرہ مبشرہ

ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ایک ہی وقت میں ان کا بیان فرمایا ہے
 اور ان میں ان کا بیان اس واسطے آیا ہو کہ انکی شان میں اہتمام نہ پاوہ ہے اور جن لوگوں کے دل میں زنگ ہی
 دل کے زنگ کی بنیے آوی کرے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں انکی خدمت کا رو بھی مقصود ہے اور عوام جانتے
 ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کی بشارت کا قطعی ہونا انہیں دس کے لئے مخصوص ہے یہ گمان انکا محض غلط
 ہے اور ان کے جہل صریح پر ولالت کرتا ہے اور بعضے طالب علم عربی خواں کہ عوام جاہلوں سے آدھا
 آدم آگے بڑھ کر رہتے ہیں یوں کہتے ہیں کہ اوروں کو بھی بشارت ہو لیکن ان دس کی بشارت قوت اور شہرت
 میں متواتر ہے اور متاثر اس گمان کا حدیثوں کا نہ پڑنا تھا اور اس علم شریف کی خدمت میں تفصیر اسکا باعث
 ہے تجاوز کر کے ادران سے اور اس بحث کو ہم نے ایک کتاب میں جسکا نام تحقیق الاشارة فی تہم البشارة
 ہے تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے اور جتقدراہل بشارت کے نام حدیثوں میں آئے ہیں اور اپنی
 نظر سے گزر ہے ہیں سب ذکر کئے ہیں اور حق یہ ہے کہ چاروں خلیفوں اور فاطمہ من حسین رضی اللہ عنہم
 اور انکی مائتدا وراہل فضائل کی بشارت تو اتر معنوی کے درجے کو پہنچی ہے اور دس جو باقی رہے ان کی
 بشارت شہرت کی حد تک پہنچی ہے اور بعضوں کی آحاد کے درجے کو اور جن کے واسطے بشارت نہیں
 آئی ہے ان کو یوں کہتے ہیں کہ مومن بنتی ہیں اور کافر بنتی ہیں مگر کسی کو قطعی بنتی نہیں کہہ سکتے اور تمام تحقیق
 سن کتاب میں مذکور ہے فاضل بدر عشرہ بشرہ کے بعد اہل بدر کو فضیلت ہے اور بدر کا واقعہ
 ہجرت کے دوسرے برس ہوا ہے اور دین اسلام کی عزت کے ظاہر ہونیکا ہی سبب ہوا اور اللہ تعالیٰ
 نے جو اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ اُس دن پورا
 یا اور عقبہ و شیبہ و ابو جہل وغیرہ سرداران قریش جو دین کے دشمن تھے وہ اس غزوے میں آئے
 تھے اور جہنم میں پہنچے اللہ انکو نعمت کرے اور پانچ ہزار فرشتوں نے مومنین کی مدد کی اور اس غزوے
 میں شریک ہوئے عشرہ بشرہ بدر کی لڑائی میں موجود تھے سوائے عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ
 سبھی یازنی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادے کے کہ آپ کے
 سے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے لیکن بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو اہل بدر میں گنا اور
 جنت میں شریک کیا اہل بدر میں سو تیرہ ہیں یہ سب قطعی ہستی ہیں اور انکی شان میں فرمایا ہو کہ
 اللہ تعالیٰ نے انکو جنت میں لے کر گیا ہے اور انکو جنت میں لے کر گیا ہے اور انکو جنت میں لے کر گیا ہے

درجہ اول

اعملوا ما تشاءوا فقال عمر بن الخطاب لما قالوا يا رسول الله انزلناك من السماء
 شهد بن ساء و الحمد لله في غير داخل ہوگا اگر میں وہ مرد کہ حاضر ہو ایدرس یا ہر
 شریف میں آیا ہے کہ وہ فرستے کہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اسی عزت و برتری
 کہ اور فرستوں کو حاصل نہیں ہے فاحسبوا اہل بدر کے احد والوں کی بزرگی ہے یہ غزوہ ہجرت کے
 واقع ہوا ہے اور اس میں اہل اسلام پر آزمائش و شدت پہنچی ہے اور زندان مبارک بنی صلی اللہ علیہ وآلہ
 کا اسی جگہ مجروح ہوا ہے اور یہ خیال نہ کریں کہ آپ کا زندان مبارک جڑ سے نکل آیا تھا بلکہ
 کا ایک کونہ ٹوٹ گیا تھا اور سید الشہداء حضرت رضی اللہ عنہ عبد المطلب کے بیٹے اور شہداء
 رضی اللہ عنہم اور شہید ہوئے۔ اور عشر مبشرہ بھی احد میں داخل تھے اور مشرکوں کا سردار اس
 غزوے میں ابو سفیان اموی تھا کہ غزوے بدر کے بعد اس نے قسم کھائی تھی کہ جب
 تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان اصحاب رضی اللہ عنہم سے بدلہ نہ لے لوں گا
 عورت سے صحبت نہیں کرنے کا اور بدن پر تیل نہیں ملنے کا جس سال مکہ معظمہ
 فتح ہوا یہ ابو سفیان اور معاویہ ابو سفیان کا بیٹا ایمان لائے ہیں فَاَهْلُ بَيْتِ الرَّسُولِ
 اہل احد کے بعد بیعت رضوان والوں کو بزرگی ہے بیعت رضوان اس بیعت کا نام
 کہ مسلمانوں نے عہد پیغمبر کی صلح سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ
 کی تھی جس کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة

بیشک اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جبکہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے
 کر رہے تھے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَدْخُلُ النَّاسَ أَحَدٌ بِلَيْحٍ
 نہیں داخل ہوگا اگر میں جس نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ یہ بھی سن رہے ہیں اور
 جو بیان ہوئی ہے اس کی افضلیت صحیح علیہ ہے کہ ابو منصور نسائی نے نقل کیا ہے اور ان
 کے بعد جن کا ذکر کیا گیا سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی بزرگی اپنے اپنے درجے اور مقام
 موافق ہے۔ مگر علماء نے اس باب میں تصریح نہیں کی۔ واللہ اعلم
 اور اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد بزرگی اور کرامت اس یوم کو ہے جس کو

یہ سب سے بڑی اور سزاوارترین ہے۔ تم میں بزرگوار اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ
 رضا اور محبت سے لیا گیا ہو اور رضی اللہ عنہم کی اولاد کو بھی بعض پر علی الترتیب بزرگی ہے لیکن حضرت فاطمہ
 رضی اللہ عنہا کے لئے بزرگی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

وَمَا أَطْفَلَةٌ سَوِيَّةٌ فِي الْجَنَّةِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ
 شَبَابٌ أَشْبَابُ أَهْلِ الْجَنَّةِ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سوا
 اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سوا ہیں۔

یہ تم نے اس مسئلہ کو اس لئے عقائد میں غلطی ذکر کیا ہے کہ ان تینوں کے حق میں یہ بشارت
 نبطی ہے اور عوام بشارت کو عشرہ بشرہ کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور روافض صرف اہل بیت
 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کل ایمان
 سالی عورتوں پر فضیلت ہے کہ جن پر عنوان کل اہل جنت کا آیا ہے یہاں تک کہ مریم عمران کی بیٹی اور
 فاطمہ صدیقہ اور صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی سوا اور ایسا ہی ذکر کیا ہے سیوطی نے اور بعض
 محدثوں میں زہرا رضی اللہ عنہا کی تفضیل مطلق واقع ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ اور بعض
 محدثوں میں مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مستثنیٰ کیا ہے ان عورتوں میں سے جن پر زہرا رضی اللہ عنہا
 تفضیل ہوئی ہے اس میں احتمال ہے کہ مریم کا رتبہ زہرا کے برابر ہو یا ان سے زیادہ رضی اللہ
 عنہا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ سب عورتوں میں افضل فاطمہ ہیں اور خدیجہ اور عائشہ اور مریم
 اور سیر رضی اللہ عنہن ظاہر اس حدیث کا ان سب کی مساوات پر دلالت کرتا ہے یا توقف پر ایک
 حدیث میں یوں آیا ہے کہ فاطمہ اس امت میں ایسی ہے جیسے مریم اپنے قوم میں رضی اللہ عنہا یعنی
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان خبروں کے اختلاف کا سبب زہرا رضی اللہ عنہا
 کے مرتبہ اور درجوں کی اطلاع ہو جیسا کہ مریم حضرت بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کرتا رہا اور
 وہاں وہ بڑی ساری آپ فرماتے رہے۔ اور سب آنروہ خبر وہی جس سے عموماً تمام جہان کی عورتوں
 کی بزرگی ثابت ہے واللہ اعلم۔

اور بعض علماء نے رضی اللہ عنہا کو فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بزرگی دیتے ہیں کسوا سئلے کہ وہ
 رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیشین ہوگی اور رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور بیشک

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سوا اور
 حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سوا ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے بھی افضل ہے۔
 میں آیا ہے کہ آپ نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں اپنے لیے اس کو
 اور حسینؑ سب ایک ہی مکان میں ہونگے۔
 اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا محترمہ تھیں کہ خلفائے کے زمانہ میں اجنبیاؤں کی تعظیم
 فتوسہ دیتی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد خدیجہ کے سب عورتوں سے افضل
 اور سوطی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں صحیح یہ ہے کہ فاطمہ عائشہ سے
 افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مرتبہ برابر ہے اور بعض نے تو فقہ کیا ہے
 بہت سے علماء حنفیہ اور بعض شافعیہ توفیق کی طرف مائل ہیں اور جب مالک رضی اللہ عنہ سے پرسنا
 پوچھا تو کہا فاطمۃ بضعۃ من النبی یعنی فاطمہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہے
 وَلَا أَفْضَلُ عَلَی بَضْعَةٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ أَحَدٌ اور نہیں افضل کہتا ہوں میں جگر پارہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی دوسرے کو۔ امام سبکی نے کہا جو مختار اور دین ہمارا ہے وہ ہے کہ فاطمہ
 سے افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا سوطی
 نے کہا ہے کہ سب عورتوں سے افضل مریم اور فاطمہ ہیں اور سب اہل بیت المؤمنین سے خدیجہ اور فاطمہ
 افضل ہیں رضی اللہ عنہن۔ خصائص خضریٰ میں مذکور ہے کہ خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما میں بھی
 اختلاف ہے۔ متقدمین کی ایک جماعت تصریح کی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور بعض صحابہ
 میں ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سب سے زیادہ کامل اور افضل مریم عمران کی بیٹی اور فاطمہ حضرت رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور آسیہ فرعون کی بیوی ہیں رضی اللہ عنہن اور بخاری کی بعض روایات
 آسیہ بنت مزاحم واقع ہوا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا
 صدیقہ سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے
 فَضَّلْتُ عَائِشَةَ عَلَی النَّسَاءِ كَفَضَّلْتُ الشَّرِيدَ عَلَی غَيْرِهِ مِنَ الطَّعَامِ اس سے معلوم ہوا
 عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چاروں عورتوں مذکورہ سے افضل ہیں۔ اتنی
 کتنا ہے بندہ ضعیف (عبدالمنعم) اللہ اسکا حال درست کرے کہ حق پر ہے کہ افضل
 اسباب مختلف ہیں لیکن حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہما سب سے زیادہ
 محبوبہ تھیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے سب سے زیادہ پیاری تھیں اور سب
 سے زیادہ پیارے ان کے باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ عورتوں
 میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سب سے زیادہ پیارے علی رضی اللہ عنہ
 تھے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سوا سب سے بزرگ
 سے بڑھ کر اپنے باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی۔

پس اگر حیثیت مختلف کا اعتبار نہ کریں تو نہایت مشکل ہے اور افضلیت کے معنی کثرت ثواب ہیں
 اور اسکی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن ذات کی بزرگی اور طہارت اور جوہر
 پاک میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین اور اہلبیت رضی اللہ عنہم کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم
 وَالْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَجِدُهَا مَلِكًا وَإِمَارَةً

خلافت تیس برس ہے پھر اسکے بعد امیری اور بادشاہی ہے ایسا ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 فرمایا ہے الخِلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تصير بعد ما ملکا عضوًا یعنی خلافت میرے بعد
 تیس برس ہے پھر بادشاہت کاٹنے والی ہوگی کہ اس کے ذمے بہت کم سلامت رہینگے۔ تمامی تیس
 سال کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک پوری ہوگئی اور تحقیق یہ ہے کہ چھ مہینہ اس میں باقی رہا
 امام المسلمین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس مدت میں خلیفہ رہے انکی خلافت سے علیحدہ ہونے
 وقت راشدہ کی مدت تیس سال پوری ہوگئی۔ پس معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جو آپ کے بعد حاکم ہوئے
 علیہ نہ تھے بلکہ بادشاہ و امیر تھے اور خلفاء عباسیہ کو جو خلفاء کہتے ہیں یہ مجاز اور باعتبار ظاہر کے ہے۔
 جسکی شیخ کمال الدین بیہام نے نصابہ میں کہلے کہ تمام اہل حق اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ امیر معاویہ بادشاہ
 نہیں تھا اور بعد شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکے امام ہونے میں اہل سنت کے مشائخ نے اختلاف کیا،
 کہتے ہیں امام ہے بعض کہتے ہیں امام نہیں ہے۔ جو امام ہونا تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امام
 رضی اللہ عنہ ان کو امامت پہنچا کر ہی اہل حق اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

جب ذکر الصالحین کا تغذیر اور ہم اہل سنت صحابہ جب ذکر کرتے

خلافت تیس برس ہے اسے ابو بکر رضی اللہ عنہما اور شاہی ہے۔

ہیں بہلائی سے کرتے ہیں بڑائی سے زبان کو روکتے ہیں اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ان کی حالت ضروری ہو۔ ان کے جاننے اور نہ جاننے کی
اعراض و انگار صحابہ پر نہیں کرتے بلے ادنیٰ سے بچے ہیں اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت و محبت سے جو وہ مشرف ہوئے ہیں اسکی حفاظت ضروری ہو۔ ان کے جاننے اور نہ جاننے کی
حدیث شریف میں موجود ہیں جیسے مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَنْبِيَاؤُهٗ
صَلٰى الْكٰفِرِيْنَ رَحْمٰتًا لِّبَنِيْهِمْ لَّا اَهْرٰكُمۡ رُكْعًا اَللّٰهُمَّ اَيُّهَا الَّذِيْ كَفَّلَ رَسُوْلَكَ مُحَمَّدًا
یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہیں یہی صحابہ زور اور ہیں ان کا ذکر
ہیں آپ میں تو دیکھئے انکو رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی بڑی رحمت کی
دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہو مَرَحِمٰى اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَعْتَدَ اللّٰهُ لَهٗمْ جَنَّٰتٍ
سے رضامندی اور وہ اللہ سے رضامند ہیں۔ اور حدیث میں ہے اَصْحَابِيْ كَالْبُقْعِ رِيَّاوِيٍّ
اَقْدَيْتُمْ اَهْتَدَيْتُمْ مِیْرے صحابہ ستاری میں تم جکی پیروی انہیں سے کرو گے ہدایت پاؤ گے اور
حدیث میں جو فرمایا اَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَاَنْتُمْ خَيْرٌ مِّنْهُمْ مِیْرے صحابہ کی عزت کرو وہ تم میں بہترین ہیں
اور جگہ فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لا تقفوا وھم عندنا من بنی بئس فی حلال
اَحِبَّاهُمْ فَبِئْسَ اَحِبَّاهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اَذَانٌ
اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشیک انی یا حنان
یعنی ڈرو اللہ سے پھر ڈرو اللہ سے میرے صحاب کے حق میں میرے بعد میرے لگانے کیلئے اللہ کے
جو شخص انکو دوست رکھتا ہے میری دوستی کے سبب دوست رکھتا ہے اور جو شخص انکو دشمن رکھتا ہے میری
کے باعث رکھتا ہے اور جس نے انکو ایذا دی اسے جھکوا ایذا دی اور میں نے جھکوا ایذا دی میں تمہاری
دی ہیں قریب ہے کہ خدا اسکو پکڑے لگا دے

اصحاب کے جھگڑوں اور اہل بیت نبوی کے حقوق کی حفاظت اور ان کے اذائب کی زد سے انہیں
تفسیر میں نقل کی گئی ہیں اگر ان غمروں کی صحت تسلیم کیاوے تو بھی ان اصحاب میں کوئی نقص نہیں
کہہ کو ان کہا اور سے کو ان سنا سمجھنا چاہیے کہ اس واسطے کہ انکی صحبت بنی علی علیہ السلام سے
یقینی ہے اور وہ نظمی ظنی ہیں پس ظن یقین کے ساتھ ہمارے نہیں ہو سکتا اور ہرگز انکی
ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ معاویہ و عمر بن عاص و عیوبہ بن جراح و ابن عباس و ابن عمر و ابن

کہنے سے روکے اور اہل سیر و تاریخ نے بعض ایسے امر نقل کئے ہیں کہ انکے تصور کرنے سے دل کو
 حیرت اور شگفتہ ہوتی ہو اور کبروت پیدا ہوتی ہو پر سلامتی اغماض کرنے اور زبان بند کرنے میں ہے
 مدینہ میں آیا کہ صفین میں معاویہ کے لشکر میں سے ایک شخص کو گرفتار کر کے عروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کے ہاتھ لیا وہاں جو لوگ حاضر تھے انہیں سے ایک شخص کو اسپر رحم آیا اسے کہا کہ سبحان اللہ میں
 مانا تھا کہ بہت اچھا مسلمان ہو اسکا کیا حال ہو گیا آپ نے فرمایا کہ یہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ غرض یہ کہ
 انکو بڑا کھتا ہے اس پر طعن کرنا اگر دلیل قطعی کے مخالف ہو کفر ہے جیسے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو
 زہلی شہت لگانی کہ انکی طہارت اور پاکی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور جو دلیل قطعی کے مخالف نہ ہو بدعت
 ہے اہل سنت جماعت کہتے ہیں بڑا جرم معاویہ اور ان جیسوں کا یہ ہے کہ امام برحق و خلیفہ مطلق یعنی
 علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور ان پر خروج کیا جیسا کہ عمار بن یاسر کی حدیث سے کہ شہرت و تواتر
 معنوی کے درجہ کو پہنچی ہے ثابت ہوتا ہے تَقْتُلُكَ الْفِئْتَةُ الْبَاغِيَّةُ تَدَا عَوْ هُمْ
 لِي الْبِحَدِّ وَيَدَّوْنُكَ الْوَالِدَانِ یعنی اے عمار ایک گروہ باغی میرے سے قتال کریگا تو انکو جنت کی طرف
 بلا رہا ہوگا اور وہ تجھے روضہ کی طرف بلا دینگے۔ یہ کفر نہیں ہے اور نہ لعنت کرنے کے لائق ہے اور علماء
 مجتہدین و صلح سابقین میں سے کسی نے ان پر لعنت نہیں کی۔ اصل عادت اہل سنت کی سبب و معنی
 کا ترک کرنا ہے کہ مومن پر لعنت درست نہیں ہے اور کافر پر بھی لعنت جائز نہیں رکھتے کہ اسکے انجام
 کا حال معلوم نہیں ہے تعجب نہیں کہ اسکا انجام ایمان اور سعادت پر ہو مگر جبکہ کافرا تمہ کفر و شقاوت
 پر ہو تو لعنت اسپر جائز ہے اور بعضے تیرہ شقی کے حال میں بھی توقف کرتے ہیں اور بعضے یزید اور
 اسکے مددگاروں اور پیروں کی شان میں اتنا غلو و افراط کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق سے
 میرا بوجھ اسکی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی نعوذ باللہ من هذا القول من هذا الاعتقاد
 یزید پر لعنت امام حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کیونکر امیر ہو سکتا تھا اور سیلیانوں کا اتفاق اسپر
 کب ہو سکتا ہے رضی اللہ عنہم کا گروہ جو اسکے زمانہ میں موجود تھا وہ اور انکی اولاد سب اسکے منکر اور اسکی
 اطاعت کے مخالف تھے۔ ایک جماعت مدینہ طیبہ سے جبراً و کرہاً شام میں اسکے پاس گئی تھی اور یاس نے
 اسکی بہت مائوسگی کی مگر جب انہوں نے اسکا حال دیکھا اور مال کی بُرائی معلوم کی اسلئے پھرتے

کے اہلیت کے ساتھ ہی کی ہو جائے گا اور ان کا بڑا چاہا ہو یا ان کا حق برباد کیا ہو اور ان کے ساتھ
 کسی عیب کا ہونا سب کی محبت سے اللہ کریم پاک رکھے اور بچاؤ سے اور ہم کو
 اللہ کے دوستوں کو قیامت کے دن اہلیت و صحابہ کے گروہ میں اٹھاوے اور دنیا و آخرت
 میں ان کے ہاتھ پر چلاوے بِمَنْدِرْ وَ كَرَامِدٍ وَ هُوَ قَرِيبٌ مِّنْ حَبِيبٍ

وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ وَ الْيَصِيْبِ یعنی مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے کبھی صواب پر ہوتا ہے مذہب
 مختار یہی ہے کہ مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور وہ اس اجتہادی خطا میں معذور بلکہ ناجور ہے یعنی
 اسکو اس خطا پر اجر بھی ملتا ہے اس لئے کہ اس نے اپنی طاقت کے بموجب اجتہاد میں خوب کوشش
 کی اور اپنا ضد یعنی راہ راست و صواب پر پہنچانا یہ خدا کا کام ہے حدیث میں آیا ہے اِنْ اَخْطَا
 فَكَانَ حَسَنَةً وَاِنْ اَصَابَتْ فَلَاكَ حَسَنَتَانِ یعنی اگر تو نے اجتہاد میں خطا کی تو تیرے
 واسطے ایک نیکی ہے اور اگر راہ راست پر پہنچا تو تیرے لئے دو نیکیاں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مجتہد
 مضیّب ہے اور اسکے لئے وہی حق ہے جو اسکے اجتہاد کی انتہا ہے۔ یہ اختلاف مسائل فرعیہ اور عملیہ
 اور احکام فقہیہ میں ہے کیونکہ اس باب میں ظن غالب پر کفایت ہے اور یہی اولی اور احقری ہے۔ جزم
 اور یقین کی ضرورت نہیں۔ اعتقادات اور مسائل کلامی حق ایک ہی ہو سواستے کہ نفس الامر اور واقعہ کی
 خبر ہے اور واقعہ نفس الامر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اجتہاد کی شرطیں اور اسکے احکام اور غیر مجتہد کی تقلید اور
 اسکا لازم کرنا اور اس سے رجوع کرنا یہ سب اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

وَلَا تَنْظُرُوا اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اور ہم کافر نہیں کہتے اہل قبلہ میں سے کسی کو۔ اہل قبلہ وہ ہیں کہ
 مسلمانوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور کتاب سنت یعنی قرآن و حدیث پر چلتے ہیں اور انکی سند پڑھتے
 ہیں اور کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں اس کو کافر نہ کہنا چاہئے اگرچہ ان سے بعضے ایسے کلمے صادر ہوں جن سے کفر لازم
 آتا ہو لیکن جب وہ اسکا التزام نہ کریں یا ان کلمات میں سے کفر کا لازم آنا صاف طور معلوم نہ ہوتا ہو انکو کافر نہ
 کہنا چاہئے اور تک مکن ہو مسلمانوں کے کلام کی توجیہ اور انکے حال کی درستی کرنی چاہئے اور کافر کہنے میں جلدی
 اور تندہ نہ کرنا چاہئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے جو کوئی کسی کو کافر کہتا ہے اگر حقیقت میں وہ
 اہل دین میں سے ہے تو اسکو کہنے والا اسی وقت کافر ہو جاتا ہے اور لعنت کرنے کا بھی ایسا
 حکم ہے ایسی حالتوں میں کہ لعنت کی ہے لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ

تو کبھی خطا پر ہوتا ہے کبھی صواب پر

کے ان کمالات پر نظر کیا جائے تو انسان ہی راجح آئے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ دلیل متعارض ہے اور
 یہ ممکن ہے کہ ان کو وہاں تراء نہیں والدا علم۔

اب جو وہاں کے اعتقاد کرنا چاہیے کہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات
 کے سرور جن وانس اور سب مخلوقات سے افضل ہیں اور یہ تفصیل انبیاء علیہم السلام کی فرشتوں پر
 جو بیان ہوئی ہے اہل سنت جماعت کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کے نزدیک فرشتے بشر سے افضل ہیں اور
 امام عظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں تردد و توقف نقل کیا گیا ہے بسبب معارض ہونے ویلوں اور
 کہتے ہیں کہ وہ پہلے فرشتوں کی فضیلت کے قائل تھے آخر اس سے بشر کی فضیلت کی طرف رجوع کی اور
 قاضی ابوبکر باقلانی سے بھی توقف نقل کیا گیا ہے۔ امام تاج الدین سبکی نے کہ ائمہ شافعیہ میں مشہور ہے کہا ہے
 کہ اگر کسی کی ساری عمر گزر جاوے اور اسکے دل پر انبیاء علیہم السلام کی بزرگی فرشتوں پر خطرہ نہ کرے امیدوار
 ہوں کہ قیامت کو اس سے سوال نہ کریں۔ انتہی اور بعض کہتے ہیں کہ ظاہر مسئلہ تفصیل ہر جگہ ہی حکم
 رکھتا ہے اور کلام کا انجام اسی پر ہے کہ حیثیتوں کا اختلاف ہے والدا علم۔

وَكَبَّامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ كَرَامَتِيْنِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ حَقٌّ هِيَ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ السُّكُوٰنُ
 کی معرفت پوری حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کامل کرتا ہو اور گناہوں سے دور بھاگتا ہو
 اور دنیا کی لذتوں اور خواہشوں کی طرف متوجہ نہ ہو روا ہے کہ اس خرق عادات ظاہر ہوں اور حقیقت
 میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ یہ ولی انکی اُمت میں ہے اور معجزے آپ کے کئی قسم کے ہیں بعض
 ان میں آوہ ہیں کہ نبوت سے پہلے واقع ہوئے ہیں انکو اہامات کہتے ہیں اور جو بعد نبوت کے بحالت
 حیات ظہور ہوئے ہیں وہ معجزے کہلاتے ہیں اور بعض رحلت کے بعد آپ کی اُمت کے اولیاء اللہ سے ہوئے
 ہیں انکو کرامات کہتے ہیں یہ بھی آپ ہی کے معجزے ہیں کہ آپ کے اور آپ کے دین کے چنے ہونے پر ولایت
 کرتے ہیں یہ آپ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ کی اُمت کے اولیاء رحمہم اللہ سے ہوئے ہیں کہ انکا
 نبوت بطریق شہرت و تواتر کے ہو چکا ہو انکار کی اصلاح گنابیش نہیں ہے اور خاص کر بڑے بڑے ولیوں سے
 بہت بہت کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جیسے حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ رحمہم اللہ سے
 یا پھر اللہ انہی کے اللہ علیہ نے کہا ہے كُوَامَا نَةٌ بَلَعَتْ حَدَّ النَّوَاتِرِ وَمَعْلُوْمٌ بِتَقَاتِ مَلْبَسَتْ مَنِيَا
 اَبُو حَرِيْرَةَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ كَرَامَتِيْنِ كَرَامَتِيْنِ حَضْرَتِ شَيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَاتُرُ كِي حُدُو كُوَامَا نَةٌ هِيَ اُوْر

اولیاء اللہ کی کرامتیں حقیقی ہیں

بالاتفاق سب جانتے ہیں کہ تمام جہان کے خدیوے میں کسی کی کرامتیں انکی برابر نہیں ہوتیں اور بعض کہتے ہیں کہ ولی کی کرامت نبی کے معجزے کی جنس سے نہیں ہوتی ہر جیسے جس میں کلام ہے سجدہ شجر اور بعض کہتے ہیں کہ کرامت ولی سے اپنے قصد و اجتہاد سے نہیں ہوتی اور بغیر دعوی دلالت کے بھی ہوتی ہے اور حق یہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے بطریق معجزہ کے صادر ہوتا ہے جائز ہے کہ ولی سے بطور کرامت کے ظاہر ہو اور بے اختیار ہو نیکی قید جو لگائی ہو صحیح نہیں ہے وہ اختیار سے بھی ہوتی ہے اور بے اختیار بھی ہوتی ہے اور کبھی ایسے شخص سے ہوتی ہے کہ ولایت کے مقام میں ثابت قدم و راسخ رہتا ہوتا ہے اور اسکے سچے دعوی کے لئے دلیل ہوتی ہے **قَالُوا وَكَانَ الشَّيْخُ مُحَمَّدٌ مِّنَ الَّذِينَ** **الدَّعَوَىٰ لِحَقِّ نَبِيِّ فِي حَقِّ** کہا ہوا اہل سیر نے کہ شیخ محمدی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے والے تھے حق کی طرف اللہ کے لئے اللہ کی معرفت کے باب میں۔ اور کرامت کا ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے بہت سے ولی ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے کرامت نہیں ہوتی اور ولایت کی اہل دین پر استقامت ہو کہ **الْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْاَكْرَاهَةِ** اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اجتہاد میں ہو تو مالک کی تربیت پر دلالت کرتی ہے۔ اور مجاہدہ میں چست و چالاک کرتی ہے اور یقین کو بڑھاتی ہے اور اتہامی مریدوں کی تربیت اور ان کے ترو و اور انکار کے دفع کرنے کا فائدہ دیتی ہے۔

سب قسمیں خرق عادت کی چار ہیں اگر مومن صالح متقی کامل معرفت والے سے ہوا سکو کرامت کہنے میں اور جو نبی سے نبوت کے دعوی پر ہو معجزہ ہے اور اس سے پہلے اہل صلاہ سے ہو تو اسکو معولت کہتے ہیں اور حقیقت سحر و طلسم و شعبدے کی ہدایہ چیزیں فرق عادت نہیں ہو سکتیں اس واسطے کہ انہیں عمل اور اسباب کو دخل ہوتا ہے جو کوئی ان عملوں اور سببوں کو کرتا ہے موافق ہادی ہونے عادت کے انکا ثمرہ مرتب ہو جاتا ہے جیسا کہ طبیب حاذق کے علاج پر فضا مرتب ہو جاتی ہے خرق عادت وہ ہے کہ عادت کے خلاف ہو۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ إِلَىٰ دِينِ الْاَبْنَاءِ اور کوئی ولی نبی کے ذریعہ کو نہیں کہتا اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہیں اور عزلی و بطرینی سے بخوف میں آتے تھے کا بھی خوف نہیں ہے اور ان پر دعوی آتی ہے اور انکو حکم ہے کہ اللہ تمہارے لئے ہے اور اللہ تمہارے لئے ہے اور اللہ تمہارے لئے ہے ان کلمات سے کل انبیاء کو حکم ہے کہ اللہ تمہارے لئے ہے اور اللہ تمہارے لئے ہے اور اللہ تمہارے لئے ہے

کوئی ولی نبی کے ذریعہ کو نہیں کہتا

حاصل ہے کہ افضلیت نبی کی ولی سے قطعی و یقینی ہی جو کوئی اسکے خلاف اعتقاد کرے گا وہ کافر ہے۔

کامیلاً بہ العکماء اور یہ جو کہا ہے کہ اَلْوَلَايَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے اس ولایت کی تفضیل و ترجیح نبوت پر ثابت ہوتی ہے لیکن ولی کی تفضیل نبی پر لازم نہیں آتی اس واسطے کہ ولایت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل ہونے کی نسبت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب اقدس قاندہ و فیض حاصل کرنا اور نبوت خلق اللہ کو خبریں اور قاندہ و فیض پہنچانا اور ضرورہ نسبت یعنی قرب مع اللہ اس نسبت سے ہے اور فاضل ہے اور نبی ان دونوں مفتوں کا جامع ہے پس وہ ولی سے فاضل ہوتا ہے اور باوجود اسکے اس کلام کا کہنے والا معلوم نہیں کہ کون ہے اور اس سے کس غرض سے کہا ہے اگر اسکی مراد ولی کی تفضیل ہی نبی پر تو یہ کلام باطل اور واجب الرد ہے اور جس نے کہا ہے وہ بھی۔

وَلَا يَصِلُ الْعَبْدُ إِلَى حَيْثُ يَسْقُطُ عَنْهُ الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ اور بندہ ایسے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ شرع کی تکلیفیں اس سے ساقط ہو جاویں جیسا کہ اہل الحاد و اباحت کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور اسکو قلب کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور اسکا ایمان راسخ ہو جاتا ہے اور احکام شرعی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اسکو کبیرہ گناہ پر نہیں پکڑتا یہ کلام محض کفر و گمراہی ہے اور حق تعالیٰ سے بخبری ہی اس لئے کہ جب محبت بندہ پر غالب آتی ہے اور اسکا دل صاف ہو جاتا ہے اور ایمان راسخ تو وہ طاعت و عبادت میں بڑھ جاتا ہے اور کامل ہو جاتا ہے نہ یہ کہ یہ صفتیں اسکی ناقص ہو جاویں اور ساقط ہو جاویں گناہ پر پکڑنا یا نہ پکڑنا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ مختار ہے پکڑے یا نہ پکڑے لیکن تکلیف کا ساقط ہونا صورت نہیں رکھتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے محبت و ایمان میں کون زیادہ ہے اسکے حق میں تو تکلیف پوری اور کامل ہے اسکے جواب میں بعض کہا کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال احکام الہی کے جاری کرنے کے واسطے ہوتے ہیں اور شریعت کے وضع کرنے کے واسطے لہذا انبیاء کو احکام کا ترک کرنا لائق نہیں۔ یہ لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں سمجھتے اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع اس واسطے ہی کہ لوگ اس پر عمل کریں اور پیروی کریں تو اس کا اتباع کریں اس لوگوں کو عمل کرنا چاہئے کہ شرع جاری کرنے کی مصلحت باطل نہ ہو جاوے اور سقوط تکلیف کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

وَالنَّصُوْصُ سَجَلٌ عَلَىٰ ظَوَامِرِهَآ یعنی آیات اور احادیث کو اسکے ظاہر پر چھوڑ دینا چاہیے اور یہ صورت الکی تاویل نہ کرنی چاہیے اس مقام کی تحقیق اور تاویل کی شرطیں اور اسکا جائز ہونا یا نہ جاننا

بندہ اپنے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ شرع کی تکلیفیں اس سے ساقط ہو جاویں

آیات و احادیث کو الکی تاویل نہ کرنی چاہیے

ہونا کتاب التفرقة بین الکفر والزندقہ کہ امام محمد علی زین العابدینؑ کی تعالیم میں لفظ باطن کی طرف اشارہ ہے۔
وَالْعَدُوُّ لِعَدُوِّكَ وَمَنْ كَانَ لِكَافِرٍ كَافِرٌ
ظاہری معنی سے عدول کرنا ایسے معنی کی طرف کہ الفاظ کے باطن کی طرف پھر خطرات سے اگلا اور ہی آراحت
ہیں الحاد ہو اور یہ فرقہ باطنیہ و ملاحدہ کہتے ہیں کہ قرآن حدیث کے ظاہر معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے راز اور
اشارے باطن کے مراد ہیں کہ بجز معلم کے ان نکتہ کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ لوگ امام محمد صوم کو علم کہتے ہیں کہ حق
کی معرفت بغیر اسکی تعلیم کے انکے نزدیک حاصل نہیں ہو سکتی پس یہ کلام الکا زندقہ والحاد ہی اگر ظاہر کے
معنی مراد نہیں ہیں تو نماز و روزہ اور طاعات و عبادات اور شریعتیں اور احکام کہاں تک ثابت ہوئے اور کونسا
معلوم ہوئے اور جو کسی کو انکے وصول کا راستہ معلوم ہو تو کتابوں کا نازل کرنا اور شریعتوں کا بیان کرنا
بے فائدہ ہو اور انکے معلم پیغمبروں اور صحاب اور انکے تابعین سے بڑھ کر پھر اسے اسلئے کہ یہ سب نصوص
کے ظاہری معنی لیتے تھے اور انکے ظاہر پر عمل کرتے تھے اور اسی پر حکم دیتے تھے اور حقیقت میں ان لوگوں
کا دین کو بگاڑنا اور اسکا باطل کرنا مقصود ہی خدا لہم اللہ و کعبہم اہل تحقیق جو روز و اشارات کا علم
رہتے ہیں کہتے ہیں کہ نصوص انکے ظاہری معنی مراد ہیں اور باوجود اسکے قرآن مجید میں رمزیں اور اشارے
بھی ہیں کہ انکے ظاہری معنوں سے مخالفت نہیں رکھتے مثلاً فرعون و موسیٰ ظاہر میں موجود ہیں اور انہیں جو
واقعات ہوئے ہیں وہ سب ظاہر میں ہوئے اور باوجود اسکے اگر کوئی روح و نفس کے قصے کی طرف اشارہ کرے
ہو سکتا ہے نہ یہ کہ کہ یہاں نہ موسیٰ ہی نہ فرعون ہی فقط روح و نفس ہی مراد ہے اور **وَإِخْلَعْنَا نَعْلَيْكَ**
سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ چونیاں اتار ڈالے اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں اوجھ آئے اور باوجود
اسکے عاشقوں کے نزدیک اشارہ ہو دونوں جہان کا دل سے الگ کر دینا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت کی
مقام میں تناوب ضروری ہے نہ یہ کہ یہاں وادی مقدس ہے نہ موسیٰ نہ نعین اس سے زیادہ یا وہ کوئی اور کفر کیا ہوگا
وَقِي دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ لِلْأَمْوَاتِ وَصَدَقْتِمُمْ عَنْهُمْ نَفَعٌ لَّهُمْ اور انہوں کی
طرف سودا کرنے اور صدقہ دینے میں مردوں کے لئے نفع ہے اس باب میں حدیثیں اور آثار بہت ہیں مثلاً
جنازہ بھی اسی قسم سے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جبکہ جنازہ پر نو مسلمان نماز پڑھیں اور اسکی کشتی
واسطے دعا مانگیں بیشک وہ بخشا جاتا ہے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوئی تھی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اس باب میں کیا صدقہ بہتر ہے یا پانچ سوں کو پانی پھیرنا

سے کہ ان کی ذرا اور کھانے سے سعادۂ ابد کے واسطے ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے
 اللَّهُ يَكْفُرُ بِالْبَدَايِ وَالْمَدَقَةِ تَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَعَابِلًا كَوَدَّ كَرْتِي هُوَ أَوْرُ صَدَقَةِ الدُّعَاةِ
 کے غضب کی آگ کو بجھاتا ہے یعنی زندوں اور مردوں سے دین و دنیا میں۔

لہذا یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جب عالم و طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اس گاؤں کے مقبرہ سے
 بچائیں روز تک عذاب اٹھایا جاتا ہے یہاں سے علم اٹھ پڑنے پڑھانے کی بزرگی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم
 ہوتا ہے کہ حافظوں اور مدرسوں کا مقبروں میں مقرر کرنا کتنا بہتر اور کس قدر ثواب کا کام ہے۔

وَاللَّهُ مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ وَقَاضِي الْحَاجَاتِ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و
 کرم سے دعاؤں کا قبول کرنے والا اور حاجتوں کا روا کرنے والا ہے اگر سچی توجہ اور دل کے حضور اور عاجزی
 سے رو کر دعا کی جائے بیشک قبول ہوتی ہے دنیا یا آخرت میں۔

اور دعائے قبول ہونے کی شرطیں ہیں اور اسکے موافق بھی ہیں سب شرطوں میں بڑی شرط اول کا
 حضور اور خلائک کا کھانا ہے اور سب منع کرنے والوں میں بڑا مانع استبطار و استعجال ہے یعنی یوں کہے کہ
 بہت دعا کی ہیں اور قبول نہیں ہوئی اور باوجود کہ قبولیت کی شرطیں نہ ہوں اور موافق بھی موجود ہوں
 جب بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم و رحمت باقی ہے حاصل یہ کہ دعا و عبادت ہے الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ
 دعا و عبادت کا مغز ہے۔ اور جیسے اور عبادتیں اپنے اپنے وقتوں اور سببوں خاص میں واجب ہوتی ہیں
 اسی طرح بلا اور مصیبت کے وقت دعا بھی لازم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ
 یعنی دعا مانگو میں قبول کرونگا۔

گرد و غبار وقت تا ہوتے قبول نہ کرنے ہو تو بھی نہ ہو دلیں طول ہا حق میں تیری جو بڑی ہوئے دعا کا فضل سے اپنے نہیں سنا خدا
 عقلاً ایک کسان بادشاہ کی درگاہ میں حاضر ہو کر ایک گھوڑا عربی مانگے اور بادشاہ اسکے بدلہ میں ایک جوڑی
 بیلوں کی عطا کرے تو لاہر میں بادشاہ نے اسکی درخواست قبول نہیں کی اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا اسکو نہیں
 دیا لیکن باطن میں اسکی درخواست نہایت اچھے طور سے قبول کی کہ اسکو وہ چیز دی جو اسکے حق میں گھوڑے
 سے زیادہ مفید تھی بیلوں سے اسکی کھیتی کو جو نفع پہنچے گا وہ گھوڑے سے کب پہنچتا بلکہ اسکی خدمت اس کی
 جان کا وبال ہو جاتی اور اسپر سے گر کر اسکی گردن ٹوٹتی۔ پس دنیا کی فضول چیزوں کی درخواست کا قبول
 نہ کرنا اس میں توقف کرنا کہ نفس کی لذتوں میں مصروف نہ ہو خدا تعالیٰ سے دور نہ پڑے اور آخرت کے

عذاب میں مبتلا نہ ہو اسی قسم سے ہے اور جب کو اللہ تعالیٰ سمجھ لے اور اس کو اللہ تعالیٰ پرستوں میں سے
 اسکے حق میں دینا اور نہ دینا دونوں برابر ہو جاتے ہیں اسی لئے کہا ہے **وَالْمَنَعُ مِنَ اللَّهِ أَحْسَانٌ** یعنی خلقت کے دینے میں گویا محرومی ہے اور خدا تعالیٰ کے دینا
 کرنے میں بھی احسان ہے کہ مصلحت سے قافی نہیں (کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی پناہ فرمایا) **وَمَا يَكْفُرُ**
وَعَمَّا الْكَافِرِينَ كَلَّا فِي ضَلَالٍ یعنی نہیں دعا کافروں کی مگر گمراہی۔ مگر دنیا کے کاموں میں قبول ہوتی
 اور مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ کافر ہو واللہ اعلم۔

وَيَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَ كُلِّ بَيْتٍ وَفَاجِرٍ ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز جائز
 نماز میں جماعت نہ چھوڑنی چاہیے۔ امام متقی و پرہیزگار کے ہم پیچھے کا پابند نہیں رہنا چاہیے کہ جماعت سنت
 موکدہ ہے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے التزام کی نہایت تاکید فرمادی ہے۔ ہاں
 اگر مرد صالح متقی امامت کے لئے پیدا ہو بہتر ہے نہیں تو ہر مسلمان کے پیچھے روانے یہاں تک کہ فاسق
 کے پیچھے بھی پڑھے بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچا ہو پر جماعت ترک نہ کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ امام کو
 نماز کے ارکان اور احکام کا علم ہو اور اس قدر قرآن اُسے یاد ہو کہ جس سے نماز جائز ہو سکے۔

وَسَيُ الْمَسْمُوعِي الْخَفِيِّ فِي الْحَضْرَةِ وَالسَّفَرِ اور ہاں نزدیک یعنی اہل سنت ہر
 کے نزدیک خفین پر مسح کرنا درست ہے یہ علامت سنی ہونگی ہے۔ بحالت قیام ایک بات ایک دن تک
 اور سفر میں تین رات تین دن تک خفین پر مسح کرتا رہے۔ کہتے ہیں علامت اہل سنت کی تین ہیں
تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَحُبُّهُ الْحَثِيثِ وَالْمَسْمُوعِي الْخَفِيِّ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سب سے
 بہتر جانا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنی اور موزوں پر مسح کرنا اہل بدعت یعنی روافض اسکے
 قائل نہیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 کو دیکھا کہ سب موزوں پر مسح کرنے کو درست جانتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے موزوں
 پر مسح کرنے کا حکم پوچھا فرمایا مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک رات دن درست ہے ایسا ہی سنا ہے
 میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دوسری جگہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
 کہ اگر اس شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا تو موزوں کے تین پر مسح کرنا بہتر ہوتا لیکن شرع کے حکم
 پر ہے اور شرع میں مسح موزوں کے اوپر کرنا آیا ہے۔

جانتا ہے اگرچہ پاؤں وہونا غربت یعنی بہتر ہے اور موزہ پر سح کرنے کی اجازت ہو لیکن اسکے
 عذر کا اعتقاد رکھنا چاہئے اور جو بہت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔
كُلُّ مَهْلِكٍ الْعَصِيَّةِ صَغِيرَةً كَانَتْ اَوْ كَبِيرَةً وَاِسْتِخْفَا فُهَا كُفْرًا
 گناہ کو مہلال جاننا اور ہلکا سمجھنا چونکہ بڑا کفر ہے اگرچہ شہوت کے غلبہ اور بشریت کے حکم سے اسکو کفر
 اور اس میں مبتلا ہو جاوے پر چاہئے کہ اسکو گناہ جانتا رہے اور اپنے تصور کا اقرار کرتا رہے۔ صغیرہ کا
 ہلکا جاننا یہ ہے کہ اسکو بے حقیقت سمجھے اور سبب عذاب کا نہ جانے ورنہ ظاہر ہے کہ صغیرہ کبیرہ سے
 ہلکا ہے اور اسکا کرنے والا کبیرہ گناہ کے کرنے والے سے عذاب میں کم ہے۔
وَالاِسْتِخْفَا عَلَى الشَّرِيعَةِ وَالاِسْتِخْفَا كُفْرًا شریعت کی ہنسی اور اہانت
 کرنی کفر ہے اس لئے کہ ہٹلانے اور انکار کرنے کا نشان ہے۔

وَالْمَهْلِكُ بِالْكَفْرِ كُفْرًا بولنا کلمہ کفر کا بطریق ہزل کے بھی کفر ہے اگرچہ اسکے معنی دہلیں
 مراد نہ ہوں اور ان پر اعتقاد نہ ہوں اسلئے کہ ہزل استخفاف کا سبب ہے اور جبکہ گناہ کا استخفاف
 کفر ہے تو کفر کا استخفاف بدرجہ اولی کفر ہے خواہ نہ جانتا ہو کہ یہ کلمہ کفر کا ہی۔ کیونکہ جہل اسباب عذر
 میں سے نہیں اور بعض علماء کے نزدیک اگر اسکا کفر کا کلمہ ہونا نہ جانتا ہو تو معذور ہے اور ہولے سے
 یا خطا سے بولایا بے اختیار زبان سے نکل گیا تو کفر نہیں ہے اجماعاً۔

وَالاِيْتِمَامُ بِالْكَفْرِ الشُّكُّ اِنْ جو لشے میں مست ہو عقل زائل ہو گئی ہو بے اختیار شہہ
 سے بکنا ہو اسکی زبان پر کلمہ کفر آوے تو اسکا اعتبار نہیں اسکو کفر کہنا نہیں چاہیئے ہاں دوسرے
 تصرفات اسکے جیسے طلاق وینا غلام کو آزاد کرنا خریدنا فروخت کرنا کسی چیز کا اقرار کرنا جائز قرار دینے
 جانتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کفر ایک امر مذموم اور بُرا ہے اپنی ذات میں جہاں تک ہو سکے اسکا دفع
 کرنا ضرور ہے اس لئے زوال عقل اسکا عذر اور رکاوٹ ہو سکتا ہے بخلاف اسلام کے کہ وہ مطلوب
 و مغربوب ہے جس طرح ہو سکے اسکا اثبات واجب ہے اور شافی رحمت اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک
 روایت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نشے والے کا کفر بھی کفر ہے۔

وَتَصْدِيقُ الْكَاهِنِ بِمَا يَخْبِي بِهِ عَنِ الْغَيْبِ كُفْرًا اور کاهن کہ غیب کے
 بانی کا دعوی کرتا ہے اسکو سچا جانتا کفر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کاهن پاس جاوے

اور اُس کے کلام کو سچا کہے بیشک وہ کافر ہو جاتا ہے اس زمین سے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
 عرب میں بہت کاہن تھے علم غیب کا دعویٰ کیا کرتے تھے جن اور شیاطین انکو خبریں پہنچاتے تھے
 نجومی بھی کاہن کے حکم میں ہے جو کوئی نجومی کی تصدیق کرے اور اُسکی بات کو سچا مانے کافر ہے۔ حال یہ کہ کفار
 کی تاثیر اور آسمان کی گردش کا گرمی و سردی اور مینہ برسنے کی زیادتی و کمی اور مریضوں و پہلوں کے سکے
 اور انکی مانند اور کاموں میں دخل ظاہری اس میں کلام نہیں مگر سعادت و نحوست اور انکی مانند اور چیزوں
 میں کچھ دخل نہیں ہے اور جو ہو بھی تو ہماری شریعت میں اسپر یقین کرنا منع ہے یا فرض اگر پہلی شریعت
 میں درست تھا تو بھی اس شریعت روشن میں منسوخ ہو گیا منع کرینگو اسقدر کافی ہے۔

وَالْيَأْسُ مِنَ اللَّهِ كُفْرٌ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے وَلَا يَأْسُ
 مِنَ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ نہیں ناامید ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سوائے
 قوم کافرین کے۔ مسلمان اگر یہ کیسا ہی گنہگار ہو اسکو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا نہیں چاہیے
 یہ امید رکھے کہ توبہ کرنے سے خدا تعالیٰ گناہ بخشد یگا اور چاہے توبہ نہ بھی اپنے فضل و کرم سے بخشدے۔
 وَالْأَمْنُ مِنَ اللَّهِ كُفْرٌ اور اللہ تعالیٰ کے غذاب سے بے خوف ہونا بھی کفر ہے
 فَلَا يَأْمَنُ مَكَرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ تعالیٰ
 کے مکر سے گر ٹوٹا پانے والے یعنی کافر۔ مکر کے معنی لغت میں ڈھانکنے یا فریب دینے کے ہیں بندہ
 کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مکر یہ ہے کہ بندہ کو گناہ میں چھوڑ دیتا ہے اور ناز و نعمت کے دروازے اسپر
 کھول دیتا ہے تاکہ وہ مغرور اور غافل ہو جاوے۔ پھر رقعہ اسکو اس طرح پکڑتا ہے کہ اُس کو گمان
 بھی نہیں ہوتا۔

وَالْإِيْتَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اور ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔
 کہتے ہیں امید ایسی چاہیے کہ اگر سننے فقط ایک آدمی بہشت میں جاوے گا تو امید رکھے کہ وہ شخص میں ہوں
 اور جو سنے کہ بجز ایک آدمی کے کوئی دوزخ میں نہیں جاوے گا تو ڈرے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں قطعاً
 انہا کہ خواص درگہ تکریم اندہ۔ و بہشت زدگان عالم تسلیم اندہ۔ نوید مشوکہ رحمت حق بام ہمت
 مغرور مشوکہ خاسکان و ہم اندہ۔

کہتے ہیں کہ اگر حیات کی حالت میں خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجائیں آئے ہوں

بیت الایمان بین الخوف والترجائین ہاں ہی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے
 کہ یہ خوف غالب ہو یا یہ اشارہ ہے کہ خوف رہا پر غالب ہے (اعلموا ان الله
 يعاقب العاقب واول الله غفور رحيم ہاں لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرے والا
 ہی اور متیقن اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔ احمد لیکر کہ یہ رسالہ رجا اور مغفرت اور رحمت پر ختم ہوا

۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۱ھ

ضمیمہ

اس کتاب لاجواب تکمیل الایمان کے ترجمہ پونا ہونا جانے کے بعد راقم الحروف مترجم مشتاق احمد
 شخصی اپنی بیوی نے یہ ارادہ کیا کہ اہل اسلام کو اسی سلسلہ عقائد اسلامیہ کے بیان میں یہ بھی بتلا دینا چاہتا
 ہے کہ جس طرح روافض و خوارج و معتزلہ مرجئہ وغیرہم فرق باطلہ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں
 پیدا ہوئے ہیں اور اپنے مزعومات باطلہ سے ناواقفوں کو راہ حق پر پلٹنے سے ہٹانے کے لیے جس
 کے عقائد فاسدہ کا علماء حقانی نے رو کیا اور اہل اسلام کو ان کے خیالات باطلہ کی پیروی سے بچایا ہے
 اسی طرح آج کل اس جو وہ ہون صدی میں دو فرقہ ضالہ اور مضلہ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ان سے بھی ناواقف
 مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا ہے لہذا کچھ ذکر ان کے عقائد فاسدہ کا کر دینا اور انگو خلافت حق بتلا دینا لازم
 ہے تاکہ انہیں ان کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ یہ منجملہ ان کے ایک فرقہ قادیانیہ مرزائیہ ہے جس کا بانی
 قادیان میں پیدا ہوا اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گیا
 ہے اور وہ آسمان پر ہے زمین پر آنے کی کوئی حدیث اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو اس میں ایسے
 عجیب و غریب امور ہیں بلکہ منجمل سے مراد ہے اور وہ منجمل میں ہوں دنیا میں پھنسا گیا ہوں میرے ہی
 لہذا بتلا دینا ضروری ہے اور اسی طرح مہدی مسعودی میں ہی ہوں۔ اسی دعویٰ کے سلسلہ
 ایک شخص نے عیسیٰ اسلام کی توہین ازالہ اوہام میں متعدد مقامات پر کی ہے اور ان کے مشہور معجزات
 کے بیان میں بتلا دینا ضروری ہے کہ ان کے عقائد میں سے انکار کیا ہے اور ان کو یوسف علیہ السلام کا بیٹا بتلا دینا چاہیے

Marfat.com

اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجزہ معراج شریف جہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 شخص کی ایسے فریب تحریرات سے پنجاب کے بعض اشخاص بہک گئے مگر بعض کے شامل رہا ہے اور
 نے مرزا کو کور کے مقتد ہو چکے بعد توبہ کی اور مرزا کے مذہب کے زوہد میں لگا میں کہیں مجزہ معراج
 اکوٹنٹ مرحوم تھے پناچہ انہوں نے عصا موسیٰ کے نام ایک کتاب لکھی یہ کتاب اسم باہمی لکھی
 جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جاو گروں کے کرتب باطل کر دیئے تھے اسی طرح اس کتاب
 عصا موسیٰ نے مزموات مرزائیہ کا بیخ و بن سے استیصال کر دیا ہے اور اسکا کاذب ہونا ثابت کر
 ہے یہ کتاب مطبع انصاری دہلی میں چھپی ہے۔ نیز جس کسی شخص کو مرزا غلام احمد کے مذہب باطل کا پورا حال
 معلوم کرنا ہو وہ کتاب (کلمہ فضل رحمانی بجواب ادہام غلام قادیانی) مصنفہ حضرت مولانا قاضی فضل
 صاحب کورٹ اسپیکر پبلیشر مطبع اخبار وقادار لاہور سے منگوا کر دیکھئے۔ قاضی صاحب نے بحوالہ صحیح
 مرزائی خیالات نقل کر کے اگلی ترویج کی ہے۔ اسی طرح افاغہ الاہام میں حضرت شیخ الاسلام وقت
 مولانا محمد انوار الدین صاحب نے عقائد مرزائیہ کا بہتر سے بہتر رد لکھا ہے یہ کتاب حیدرآباد
 اشاعت العلوم سے مل سکتی ہے۔

اس عاجز نے بھی متعدد رسائل مذہب قادیانی کے سود میں لکھے ہیں جن کے نام یہ ہیں معتقدان
 نسبت نزول عیسیٰ علیہ السلام (معراج جہانی رو مرزا قادیانی) (القول الفصیح فی تحقیق نزول
 (راسے منصفانہ نسبت مناظرہ کو دیانہ) گزرا اب یہ رسائل چیکر شائع ہونے کے بعد لیا اب ہو سکے
 معراج جہانی حیدرآباد میں کر رہیں کو بھیجا گیا ہے۔

دوسرا فرقہ ضالہ (قرآنیہ) ہے مولوی عبدالرحیم اللہی اس فرقہ کے بانی ہیں انکا اصول
 یہ ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتبار نہیں کیونکہ قرآن میں ہے
 اَلَا لِلّٰهِ عِندَ اللّٰهِ عِلْمُ الْغُیْبِ کا ہے اگر رسول کا حکم مانا جاوے گا تو شرک فی الحکم لازم آوے گا۔ جواب
 کہ رسول کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے کیونکہ خود قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا مَنْ قَطِيعٌ الرَّسُولِ
 اَلْحَاكِمُ اللّٰهُ مَعْنٰی جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی یہ مشہور
 اور وہ ہو کہ ہے۔

اس فرقہ قرآنیہ کی نسبت تو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندان و مصیبا و مہلا

احقر نام محمد عبدالاحد ابن مولانا غلام محمد جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور شائقین علم کلام و عقائد کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہو کہ یوں تو اس فن کی کتابیں بہت سی ہیں مگر ان کے تصانیف امام الکلام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کافی و روانی میں جیسا کہ نور العقائد کتاب لائق تصانیف الما عقائد ہے جس میں مشکلین کے علم کا خلاصہ اور ان کی رسمی کتابوں سے تحقیق میں بہت بڑھی ہوئی اور معرفت کے دروازے کھلنے کی طرف زیادہ قریب ہو اور اسکے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں جو خاص علماء کے دیکھنے اور سمجھنے کی ہیں جن میں ہر قسم کے مباحث و دلائل موجود ہیں مگر ایسی عام فہم کتاب جو تمام مضامین کو حاوی اور اکثر مسائل کی جامع ہو تکمیل لایمان حضرت شیخ عبدالرحمن محدث دہلوی رحمۃ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہ دیکھا یہ کتاب اس فن میں واقعی لاجواب ہے۔ شیخ نے آسانی کے ساتھ وہ وہ باتیں لکھی ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ عقائد دین اسلام کو موافق طریقہ اہلسنت و الجماعت نہایت شستہ تم سے اس خوبی سے ادا کیا ہے جس سے خود بخود دلوں میں اثر اور نور یقین پیدا ہوتا چلا جائے (جس کی طرف دیکھا ہے) میں شیخ نے اشارہ بھی کیا ہے۔

چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور ہمارے ملکی بھائی اس سے اچھی طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے اس لیے احقر نے جامع علوم ربانیہ واقف انصاری قرآنیہ فاضل جل عالم اکل مولانا مولوی محمد شائق احمد صاحب حسنی پشٹی اینٹھوی دامت برکاتہم و افاضالہم و انا و تم کو اس کتاب کے ترجمہ کے لیے تکلیف دی اور حضرت مولانا سلمہ نے بطیب خاطر عامہ مسلمین کے نفع کے لئے ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی اور چند روز میں اسکی تکمیل فرمادی جزا اللہ عنا خیر الجزاء۔ ایک قلمی صحیح نسخہ آپ کے پاس تھا اس سے متن کی بھی تصحیح فرمائی اور ترجمہ ایسی خوبی سے کیا جس سے عام حبابیں رفع ہو گئیں اور تمام مضامین و مقاصد تکلف اچھی طرح سمجھ میں آئے ترجمہ کی پاکیزگی۔ زبان کی سلاست کتاب کے دیکھنے پر موقوف ہے۔

جب حضرت مولانا سلمہ ترجمہ سے فارغ ہوئے تو احقر اسکے چھاپنے کے لیے مستعد ہوا اور تھوڑے دنوں میں حق تعالیٰ کی امداد سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہو گئی۔ ذات باری تعالیٰ شانہ سے امید ہے کہ اسے میرے لئے ذخیرہ عقیقہ کرے اور عامۃ المؤمنین کو اسکے مطالعہ سے نفع بخشتے۔ آمین ثم آمین۔

(جملہ حقوق بحق مولانا محمد علی صاحب)